ایڈیٹر: عبدالمنان جہلمی | زیر سرپرستی شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی مدظلہ | قیمت چار آنے

جلد ۲ | یوم جمعہ ۳ر محرم الحرام ۱۳۷۶ھ موافق ۱۰ر اگست ۱۹۵۶ء | شمارہ ۱۳

شوقِ حدیث

(۲)

سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو "خدام الدین" مورخہ ۱۳ر جولائی ۱۹۵۶ء

(از مولینا ضیاء الدین قریشی خطیب جامع مسجد واہ کینٹ)

ہم نے قارئین کے سامنے قسط اول میں شوقِ حدیث کو دو عنوانوں پر تقسیم کیا تھا قسم اول درس حدیث جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے قسم دوم سفر برائے علم حدیث۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں کہ:-

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تشریف لے جانے کے بعد میں نے ایک انصاری سے کہا آؤ صحابہ سے درس حدیث لیا کریں۔ مجھے اس انصاری نے یہ جواب دیا۔ تم عجیب آدمی ہو لوگوں کو صحابہ کی موجودگی میں تمہاری کیا ضرورت پڑے گی۔ میں نے اس انصاری کو چھوڑ دیا۔ اور تنہا حدیث پڑھنے کے لئے صحابہ کے پاس چلا اور مجھے جب معلوم ہوتا تھا کہ اس صحابی کے پاس کوئی حدیث ہے تو میں اس کے دروازہ پہ پہنچا۔ اگر وہ قیلولہ میں ہوتے تو میں اپنی چادر کا تکیہ بنا کر ان کے دروازہ پہ پڑا رہتا۔ اور گرم ہوا میرے چہرہ کو جھلستی رہتی۔ جب وہ صحابی باہر آتے تو اور مجھے اس حال میں دیکھتے تو متاثر ہو کر فرماتے تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچازاد بھائی آپ کیا چاہتے ہیں۔ یہاں کیسے آنا ہوا مجھے اپنے پاس بلا لیتے میں آپکے مکان پر حاضر ہو جاتا یا پیغام بھیج دیا تھا کہ میں آپکے پاس میرا آنا فرض تھا میں آپکے پاس حدیث کی طلب میں آیا ہوں۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ جب صحابہ گذر گئے اس انصاری نے یہ دیکھا کہ میری ضرورت لوگوں کو پڑ گئی اور جوق در جوق میرے پاس طلب حدیث کے لئے آتے تھے۔ اور اس وقت اس نے یہ کہا۔ ابن عباس تم مجھ سے زیادہ عقلمند آدمی تھے۔

(اصابہ فی تمیز الصحابہ جلد ۲ صد۳۲۳ و سنن دارمی جلد اول صد۱۳۷)

حضرت ابن عباسؓ کے اس بیان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ حضرات علم حدیث کو حاصل کرنے کے لئے محنت و مشقت الا سفر بھی ہوتا تب بھی دریغ نہ کرتے اور ساتھ ہی اپنے اساتذہ کا ادب و احترام کتنا کرتے کہ آج اتنا احترام عشر عشیر بھی مفقود ہے۔

ابی عالیہؒ فرماتے ہیں۔ ہم بصرہ میں صحابہ کی زبانی حدیث کو بالواسطہ سنتے تھے۔ مگر ہم اس پر خوش نہیں تھے۔ اور ہم نے چاہا بلاواسطہ صحابہ کی زبان سے ان حدیثوں کو سنیں جو ہم کو یہاں بصرہ میں پہنچی ہیں۔ ہم نے مدینہ منورہ جانیکا ارادہ کیا

حتی رکبنا الی المدینۃ سمعنا من افواھم

ملاحظہ فرمائیے دارمی جلد اول صـ

ابی العالیہ ثقہ تابعی ہیں ۹۰ھ میں آپ نے وفات پائی ہے

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں۔ مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہ حدیث جو میں ایک صحابی کے واسطے سے دوسرے صحابی کی زبان سے سن رہا ہوں۔ اور اس کو جس صحابی نے براہ راست حضور کی زبان سے سنا ہے وہ کسی اور جگہ قیام فرما ہیں۔ میں نے اونٹ خرید لیا اور اس صحابی کی تلاش میں مدینہ منورہ سے چل پڑا۔ ایک ماہ راستہ طے کرنے کے بعد ملک شام میں پہنچا۔ وہاں عبداللہ ابن انیس صحابی موجود تھے۔ میں نے اپنا اونٹ ان کے دروازہ پر بٹھا دیا۔ اور دربان کو اطلاع دینے کے لئے کہا کہ جابر آپ کی چوکھٹ پر کھڑا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن انیس یہ سن کر کہ جابر ابن عبداللہ انتظار فرما رہے ہیں تشریف لائے۔ میں نے کہا آپ کے پاس مظالم کے بارے میں حضور علیہ السلام کا کوئی ارشاد ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ قبل اس کے کہ میں وہ حدیث سن لوں۔ میں فوت ہو جاؤں یا آپ فوت ہو جائیں۔ (مجمع الزوائد صد۵۲ و جامع بیان العلم)

کثیر ابن قیس فرماتے ہیں۔ میں دمشق کی جامع مسجد میں ابی الدرداء کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ مدینہ منورہ سے ایک شخص آیا۔ اور ابی الدرداء سے کہا کہ آپ کے پاس حضور علیہ السلام کی ایک حدیث ہے اور اس کے سننے کے لئے میں آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔ حضرت ابو درداء نے اس کو فرمایا

اس کے سوا یہاں آپ کی کوئی غرض نہیں ہے۔ تجارت کی نیت سے نہیں آئے ہو۔

اس نے کہا اس حدیث کی تحصیل کے ۔ میری اور کوئی غرض اور نیت نہیں۔ یہ سن حضرت ابو درداء نے فرمایا:

(باقی صد۱۸ پر)

اسلام اور اخلاق حسنہ

(۳)

از حکیم احمد حسن قریشی بھوتی گاڑ ضلع اٹک

کیونکہ پچھلے حصہ میں ہم ثابت کر آئے ہیں۔ کہ نماز روزہ حج زکوٰۃ کی طرح اخلاق بھی ایک عبادت ہے۔ اور اس کا ثواب بھی اور عبادات کی طرح خداوند قدوس کے ہاں سے نماز روزہ ہی طرح قیامت کو دیا جائے گا۔ ثواب صرف انہی اعمال کا ہوتا ہے۔ جس کا تعلق حضورؐ کے اتباع سے ہو۔ اور وہ کام صرف خدا کا حکم سمجھ کر کیا جاوے۔ اور کوئی اس مقصد سے نہ ہو۔ تو وہ اپنے اندر کوئی بھلائی نہیں رکھتا۔ بلکہ الٹا اس کے مضر ہونے کا احتمال ہے۔ مثلاً نماز کو کوئی اس لئے ادا کرتا ہے۔ کہ لوگ کہیں۔ کہ بڑا نیک آدمی ہے خدا کا حکم خیال نہیں کرتا۔ تو الٹا یہ نماز اس کے گناہوں میں اضافہ کا سبب بنے گی ؎

کلید در دوزخ است آں نماز
کہ در چشم مردم گزاری دراز

حدیث پاک میں آتا ہے۔ قیامت کے اندر خدا کے سامنے تین شخص پیش ہوں گے ایک عالم دوسرا مجاہد۔ تیسرا سخی۔ عالم سے پوچھا جائے گا۔ کہ کیا کیا کام کئے تھے۔ وہ کہیگا کہ علم حاصل کیا پھر پڑھایا۔ اور اس کی اشاعت کی خدا کہے گا۔ کہ جھوٹ بولتا ہے۔ تو نے علم اس لئے حاصل کیا۔ اور اس کی اشاعت اس لئے کی۔ کہ لوگ کہیں۔ کہ بڑا عالم ہے۔ سو ہم نے تم کو اس کا بدلہ دے دیا پھر مجاہد سے سوال ہوگا۔ وہ کہے گا۔ کہ یا اللہ میں نے تیرے راستہ میں جہاد کیا اور کافروں کو قتل کیا۔ اور تیرے دین کی اس طرح سے حفاظت کی خدا کہے گا۔ کہ جھوٹ بولتا ہے تو نے قتال اس لئے کیا۔ کہ لوگ کہیں گے۔ کہ بڑا بہادر ہے۔ سو ہم نے تم کو کہلوا دیا۔ پھر اسی طرح سے سخی سے سوال ہوگا۔ وہ کہیگا خدایا میں نے تیرے راہ میں بڑا مال خرچ کیا۔ غریبوں مسکینوں پر خرچ کیا۔ وغیرہ۔ تو خداوند کریم فرمائیں گے۔ کہ جھوٹ کہتا ہے پھر سب کو جہنم میں بھیج دیا جائے گا

(عن المشکوٰۃ المصابیح)

اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ صرف وہی اعمال مقبول اور تزکیہ کا سبب بنتے ہیں۔ جو صرف خدا کا حکم سمجھ کر کئے جائیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکمل اتباع کے ساتھ ان کو عمل میں لایا جائے۔ بعض منفرنجین کو یہاں یہ گمان واضح ہوا ہے۔ کہ خدا کے احکام کے ہوتے ہوئے ہمیں اتباع رسول کی چنداں ضرورت نہیں رہتی حالانکہ دنیا کا کوئی کام عالم اسباب میں نقشہ کے بغیر تکمیل کو نہیں پہنچتا۔ اگر کوئی انجنیر نقشہ کے خلاف کام کرے۔ تو اس نقشہ کے خلاف جو مالک نے اسے مہیا کیا ہے تو یقیناً گورنمنٹ یا مالک مکان اس کو سزا دیگا یا کم از کم اس کی تعمیر کو یا کام کو تسلیم نہیں کرے گا۔ اسی طرح قرآن مجید نے اعلان کر دیا ہے۔ کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ نماز کے لئے رسول کی زندگی نمونہ حیات ہے۔ اب اگر کوئی اس نمونہ کو سرے تسلیم ہی نہ کرے۔ اور اپنی رائے سے جدید نمونہ قائم کرنے کی کوشش کرے تو کیا وہ خدا کے حکم کے مطابق عمل کو سرانجام دے رہا ہے۔ حکم ہوتا ہے۔ اقیموا الصلوٰۃ تو کیا اس کے لغوی مفہوم پر عمل کرتے ہوئے صلوٰۃ کا مفہوم پورا ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں اور یقیناً نہیں۔ جب تک کہ ہم اس طرح سے نماز کو ادا نہ کریں گے۔ جس طرح سے حضور اقدس نے ادا کی تھی۔ اب اخلاق حسنہ کو ہی لے لیجئے اگر احادیث مذکورہ بالا توضیحات کو نظر انداز کر دیا جائے تو اسلامی اخلاق کی تکمیل کا دعوٰے کیا جا سکتا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ تو پھر کس طرح سے ہم حضور اقدس کی پیروی کے بغیر خدا کی خوشنودی اور قرب حاصل کر سکتے ہیں۔ جب کہ ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ ہی نہیں کہ جس کی مدد سے خدا کے احکام کی تفصیلات معلوم کر سکیں۔ اور جب قرآن پاک میں یہ حکم بھی صراحتاً موجود ہے کہ ما آتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا تمہیں جو کچھ بھی رسولؐ دے اسے پکڑ لو۔ اور جس چیز سے بھی رسولؐ روکے اس سے رک جاؤ۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ رسولؐ

کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی ہر بات قابل اطاعت اور قابل تقلید ہے۔ اب جو لوگ احادیث کو صرف تاریخی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ اور یہ دعوے کرتے ہیں۔ کہ ہمیں خدا کی کلام بس ہے۔ اور پھر خدا کی کلام من مانی تشریحات کرتے ہیں۔ وہ درحقیقت اپنی دون خانہ خود شارع بننے کے زعم باطل میں گرفتار ہیں اور چودہویں صدی کے عجمی مستغربین اپنی محروضہ تلبیسات الدین کے نام سے قوم کے سروں پر تھوپنا چاہتے ہیں۔ اور یہ دعوے کرتے ہیں کہ قرآن کا حقیقی منشا یہ ہی تھا۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ صاحب قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام جن کی پوری زندگی ہی قرآنی تھی۔ ان کے ارشادات کو پیش نظر نہ رکھا جائے؟ آپ کی حیثیت ایک بہترین انسان ایک بہترین باپ ایک بہترین شوہر ایک بہترین خانہ دار اور ایک کاروباری تاجر ایک افسر ایک قاضی ایک سپہ سالار ایک حاکم ایک بادشاہ ایک استاد۔ ایک واعظ۔ ایک مرشد ایک زاہد۔ ایک عابد اور آخر ایک پیغمبر کی نظر آتی تھی۔ اور تمام انسانی طبقے آپ کے سامنے آکر زانوئے ادب تہہ کرتے ہیں۔ اور اپنے اپنے پیشہ و فن کے مطابق آپ کی توضیحات سے بہرہ اندوز ہوئے ہیں۔ مدینہ الٰہی کی اس درسگاہ اعظم کو غور سے دیکھو۔ جس کی چھت کھجوروں کے تنوں سے اور جس کا نام مسجد نبوی تھا۔ اس کے الگ الگ گوشوں میں ان انسانی جماعتوں کے الگ الگ درجے کھلے ہوئے ہیں۔ کہیں ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ جیسے فرمانروا زیر تعلیم ہیں۔ کہیں طلحہؓ و زبیرؓ و معاویہ و سعد بن معاذ و سعد بن جبیر جیسے ارباب رائے و تدبیر ہیں۔ کہیں خالدؓ ابوعبیدہ سعد ابن ابی وقاص عمر ابن عاص جیسے سپہ سالار ہیں۔ کہیں وہ ہیں جو بعد کو صوبوں کے گورنر عدالتوں کے قاضی اور قانون کے مقنن بنے۔ کہیں ان عبادو زہاد کا مجمع ہے جن کے دن روزوں میں اور راتیں نمازوں میں کٹتی تھیں۔ کہیں ابوذر سلمان اور ابو دردا جیسے وہ خرقہ پوش ہیں۔ جو مسیح اسلام کہلاتے تھے۔ کہیں اصحاب صفہ تھے۔ جو دن رات طلب علم میں مصروف رہتے تھے۔ کہیں حضرت علیؓ۔ حضرت عائشہؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت زید ابن ثابت جیسے فقیہ و محدث تھے۔ جن کا کام علم کی خدمت اور حدیث کی اشاعت تھا۔ ایک جگہ غلاموں کی بیٹھک ہے۔ تو دوسری جگہ آقاؤں کی محفل ہے کہیں غریبوں کی نشست اور کہیں دولتمندوں

باقی صفحہ ۱۴ پر

خدام الدین لاہور

(ہفت روزہ)

جلد ۲ | یوم جمعہ ۳ محرم الحرام ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۰ اگست ۱۹۵۶ء | شمارہ ۱۲

نہر سویز

گذشتہ ہفتہ کی سب سے بڑی خبر یہ ہے کہ مصر نے مصری حدود میں واقع نہر سویز کو قومی ملکیت میں لے لیا ہے۔ اس سے پیشتر اس نہر پر کنٹرول بالواسطہ برطانیہ اور فرانس کا تھا۔ اور کچھ عرصہ پہلے تک اس کی حفاظت کے لئے غیر ملکی فوجیں بھی موجود رہتی تھیں۔

نہر کو قومی ملکیت میں لینے کے بعد مغربی طاقتوں کا جو ردِ عمل ہے۔ وہ اخبار بین قارئین کرام کی نظروں سے پوشیدہ نہیں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں بیسیوں کانفرنسیں منعقد ہو چکی ہیں۔ برطانیہ۔ امریکہ اور فرانس نے اپنے ملکوں میں موجود مصری اثاثے کو ضبط کر لیا ہے۔ برطانوی حکومت نے برطانوی باشندوں کو مصر چھوڑنے کا فوراً حکم دیدیا ہے۔ اور ان کی حفاظت کے بہانے برطانیہ اپنے جنگی بیڑے کو بحیرۂ روم تک دھکیل لایا ہے وغیرہ وغیرہ

حقیقت یہ ہے۔ مشرق میں بیداری اور حقِ خود اختیاری کی لہر دوڑ چکی ہے۔ اس لئے مغربی طاقتیں وحشت زدہ ہو رہی ہیں۔ تھوڑے ہی دن پیشتر شرق اردن سے برطانوی ایجنٹ (گلب پاشا) نکالا گیا اب مصر نے نہر سویز پر قبضہ کرلیا، الجزائر میں حریت پسند آزادی کے لئے اپنا خون پانی کی طرح بہا رہے ہیں۔ حتیٰ کہ برطانوی دارالعوام کے حزبِ مخالف سے یہ آواز اُٹھ رہی ہے۔ کہ برطانیہ کو سویز کے معاملہ میں نہایت احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ دوسرے عرب ممالک جہاں کے تیل سے برطانیہ فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اس سے بدظن ہو جائیں۔ یہ اسی بیداری کا نتیجہ ہے۔ مصر نے تمام خدشات اور خطرات کی موجودگی میں اتنا بڑا اقدام کیا ہے۔

ہم مصر کے جواں سال صدر کو اس جرأت مندانہ اقدام پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ سے دعا کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے اتنے بڑے ملک کو غیروں کی دستبرد سے آزاد، مامون اور محفوظ رکھے۔ سویز کو قومی ملکیت میں لینا مصر کا قانونی حق تھا۔ اور اس حق خود اختیاری کی اشد ضرورت بالخصوص اس وقت محسوس ہوئی۔ جبکہ امریکہ و برطانیہ مصر کو اسوان بند کی تعمیر کے لئے روپیہ دینے کا وعدہ کر کے اپنے وعدہ سے پھر گئے تھے۔ اس وقت مصر کے لئے دو راستے کھلے ہوئے تھے۔ مغربی طاقتوں کی مخالفت کر کے اشتراکی طاقتوں سے روپیہ حاصل کرے یا نہر سویز کو قومی ملکیت میں لے کر اس کی آمدنی سے اپنا خرچ نپٹائے۔ دوسری طرف امریکہ و برطانیہ کی سیاست بے نقاب ہوگئی۔ یا تو عرب دوستی کے دعوے یا اب ان کے حق خود اختیاری استعمال کرنے پر دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔ مصری سرمایہ پر پابندی سراسر غیر قانونی اور بداخلاقی ہے۔ حالانکہ مصری حکومت نہر کو قومی ملکیت میں لینے کے ساتھ ہی اعلان کر چکی ہے کہ سابقہ کمپنی کے حصہ داروں کو منڈی کی آخری شرح کے مطابق معاوضہ دے دیا جائے گا۔ سابقہ کمپنی کے ملازمین کی ملازمتوں پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اور مصر غیر ملکی باشندوں کی پوری طرح حفاظت کرے گا۔ مصر کو معاوضہ دینے کے بعد ہر ملک کو نہر کے استعمال کرنے کا حق دیا جائے گا۔ اس اعلان کے بعد کسی خدشہ کی گنجائش رہ جاتی ہے؟

دراصل برطانیہ نہ تو مصر سے جنگی طور پر خائف ہے اور نہ اسے خطرہ ہے کہ مصر اس گذرگاہ کو پُر امن طریقہ سے استعمال کرنے سے روکے گا، بلکہ برطانیہ اس لئے واویلا کر رہا ہے کہ وہ غنیمت کی لوٹ کھسوٹ سے محروم ہو گیا ہے برطانیہ اس لئے آپے سے باہر ہے کہ کل کے غلام اور محکوم آج آقاؤں کے جبڑوں کی طنابیں توڑ رہے ہیں۔ اسی غم و غصہ میں اس نے اپنے جہاز رانوں کو حکم دے دیا ہے کہ وہ نہر کو استعمال نہ کریں بلکہ چاہے ہزار میل کا چکر کاٹ کر مشرقِ بعید جائیں۔

تازہ ترین اطلاعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وسط اگست میں نہر سویز کے متعلق ۲۴ بڑے ملکوں کی کانفرنس منعقد ہوگی جس میں موجودہ صورت حالات کا جائزہ لیا جائے گا۔ دنیا کے بڑے بڑے ملکوں کا اس بارے میں نظریہ تاحال غیر مبہم ہے۔ مغربی طاقتیں مخالفت اور روس موافقت میں بیان دے چکے ہیں۔ البتہ ہندوستان اور اس قسم کے غیر جانب دار ممالک خاموش ہیں۔ ہمارے ملک کے عوام اور ہماری حکومت کے وزیر خارجہ مصر کے قومی حق کو تسلیم کر چکے ہیں۔ خدا کرے کہ اس معاملہ کا حل اس طرح ہو جائے کہ عالمی امن کو بھی خطرہ پیدا نہ ہو اور مصر کی آزادی بھی برقرار رہے۔

(ایڈیٹر)

آداب

از جناب ع۔ رشید عباسی صاحب واہ کینٹ

بڑھتی ہوئی غفلت و بے دینی کے لائے ہوئے اس نتیجۂ بد کو دیکھ کر سب ہی لوگ کہنے لگے کہ دین اسلام کی دی ہوئی تعلیم پر عمل کرنا ولیوں کا کام تھا شریعت تو بال سے بھی زیادہ باریک ہے۔ ان باریکیوں کو سمجھنا کچھ بڑے لوگوں کا کام ہے جو گذر گئے۔ یہ اور اس قسم کے دوسرے خیالات نے زندگی کو انتہائی پژمردہ بنا دیا، احساسات و ارادے بے روح ہو گئے معمولی سے غور کے بعد حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں نہ کوئی تنگی ہے نہ دشواری۔ تمام دنیا کے مذاہب سے زیادہ آسانیاں اور رعایت اس میں پائی جاتی ہیں۔ دین تعلیمات کو اپنانے میں جو مشکل نظر آتی ہے وجہ اس لئے کہ ہم نے اپنی زندگی کے ہر شعبے سے اسلامی اخلاق، آداب، معاملات اور تہذیب کو نکال پھینکا۔ جس کے باعث زندگی کی اچھی اور بہت آسان باتیں جو نشست برخاست، رفتار و گفتار سے متعلق تھیں نظر انداز کر دی گئیں۔ اس مشینی دور میں مختلف طریقوں سے انسان کو آج آدابِ مجلس، آدابِ معاش، آدابِ بود و باش وغیرہ طریقے سکھائے، بتائے اور سمجھائے جا رہے ہیں۔ جن کی وضاحت اسلام آج سے سینکڑوں سال پہلے کر چکا ہے۔ یہاں چند باتیں عرض کی جاتی ہیں جن سے شبانہ روز واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ ہم میں سے شائد ہی کوئی شخص ایسا ہو جو مدرسہ، مسجد، تقریب وعظ، بیاہ، شادی، جلسہ جلوس وغیرہ میں شریک نہ ہوتا ہو۔ ایسی مجلسوں میں جانے سے پہلے چاہئے کہ وضو کر لیا جائے۔ اور اگر جسم میں پسینے کی بو آ رہی ہو تو غسل کر لینا چاہئے۔ بہ عین صحت ہے صاف کپڑے ہوں۔ اور اگر ہو سکے تو خوشبو بھی لگا لینی چاہئے۔ میلا لباس، گندا جسم لئے کسی محفل میں شریک ہونا دوسروں کے لئے بیزاری کا سبب بنتا ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جوڑا بڑھیا کپڑے کا تھا۔ جب کوئی دوسرے ملکوں کے سفیر ایلچی آتے تو آپ اس کو زیب تن فرماتے۔ جمعہ، عیدین کے روز خاص طور پر غسل کی ہدایت کی گئی ہے۔ نیز اس امر کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ منہ سے کسی قسم کی بدبو نہ آئے۔ پانچوں وقت وضو کے علاوہ کسی مجمع میں جاتے وقت بھی مسواک کر لینی چاہئے۔ حقہ، سگریٹ، بیڑی پی کر، پیاز، لہسن، مولی وغیرہ کی بو منہ سے نہ آنی چاہئے۔ یہ نہایت بدتمیزی کی بات ہے۔ بیڑی سگریٹ نہ صرف اپنے اندر بدبو رکھتی ہیں۔ بلکہ صحت کے لئے بھی نہایت مضر ہیں۔

آنحضرتؐ کے زمانے میں تو ان کا وجود بھی نہ تھا۔ البتہ پیاز، لہسن یہ چیزیں تھیں۔ مگر ان سے نفرت تھی۔ دوسروں کے لئے پیاز لہسن کی ممانعت تو نہ تھی لیکن یہ حکم تھا کہ لہسن پیاز کھا کر مسجد میں کوئی نہ آئے جب تک مسواک نہ کرے۔

جدت پسند ممالک کے باشندے کسی محفل میں شریک ہونے سے پہلے اپنے جسم کو اعلیٰ اور بیش قیمت لباس سے مزین کر کے مختلف قسم کے سینٹ، پاؤڈر، کریم وغیرہ سے لباس کو معطر کرتے ہیں۔ کہ جس مقام سے گذر جائیں فضا ہی بدل دیں، مگر منہ سے آنے والی تے اور شراب کی بدبو کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ شاید وہ بھی ایک قسم کی خوشبو ہے۔

(۲) بہرحال مدرسہ، مسجد اور تقریر و وعظ کی محفلوں میں الگ الگ ٹکڑیاں بنا کر نہ بیٹھنا چاہئے۔ بلکہ ایک بڑا حلقہ ہو تاکہ کھل کر آرام سے بیٹھا جا سکے۔ ایک دوسرے میں گھس کر بیٹھنا یا بلا اجازت اپنے آپ کو تنگ جگہ میں ٹھونسنا آدابِ محفل کے خلاف ہے بعض اوقات اس قسم کی بدتمیزی فساد پیدا کر دیتی ہے۔ جس سے نظمِ محفل درہم برہم ہو جاتا ہے۔

(۳) کسی مجلس یا محفل میں زبردستی اندر یا آگے پہنچنے کی کوشش نہ کرنی چاہئے۔ بلکہ جہاں جگہ مل جائے خواہ کنارے پر ہی ہو بیٹھ جانا چاہئے کاندھوں، گردنوں اور سروں کو عبور کرتے ہوئے آگے جانا بڑی بیہودگی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سخت مخالفت فرمائی ہے۔ بڑھیا اور اونچی جگہ پر بھی نہ بیٹھنا چاہئے۔ کیونکہ جب وہاں کے بیٹھنے والے آئیں گے تو اٹھنا پڑے گا اور خواہ مخواہ شرمندگی ہوگی۔ اگر کسی کے ہاں جانا ہو۔ تو گدا، کرسی یا صاحبِ خانہ کی مخصوص جگہ جس پر وہ خود بیٹھتا ہو اس پر نہیں بیٹھنا چاہئے آنحضرتؐ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ یہ تو صاحبِ خانہ کا کام ہے کہ آنے والے کو اپنی جگہ یا کسی جگہ بٹھائے۔ اس وقت بیٹھنے والے کو شکریہ ادا کرنا چاہئے۔

(۴) کسی کو ہٹا کر اس کی جگہ بیٹھنا بھی درست نہیں اس کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کام کے لئے اٹھ جائے تو اس کی جگہ کوئی دوسرا شخص نہ بیٹھے۔ یہ جگہ اسی کی ہے جب وہ آئے گا یہاں بیٹھے گا۔

(۵) یہ بات سب کے تجربے میں ہوگی کہ جب کسی مقام پر کچھ لوگ (یا بہت زیادہ) کسی سلسلے میں آئے بیٹھے ہوں تو بلا ضرورت معمولی معمولی بات کے لئے ایک دوسرے کے کان میں کچھ کہتے ہیں۔ اس فعل خلافِ ادب سے اور لوگوں کی طبیعتیں شک میں پڑ جاتی ہیں۔ نیکی اور تقوے کے بارے میں کانا پھوسی کرنا گناہ نہیں۔ مگر آجکل کی مجلسوں میں کانا پھوسی محض برائی اور بری باتوں کے لئے کی جاتی ہے۔ سورۂ مجادلہ" میں اس برے فعل سے روکا گیا ہے۔

(۶) کسی مجلس میں اگر کسی شخص سے کوئی بری حرکت سرزد ہو جائے تو دوسروں کو چاہئے کہ باہر آ کر اس کا تذکرہ نہ کریں کسی کی غلطی یا قصور کو عام لوگوں کے سامنے بیان کرنا نہایت قبیح عادت ہے۔ اس قسم کی باتیں باہم کشیدگی پیدا کر دیتی ہیں۔

(۷) اگر کچھ آدمی الگ باتیں کر رہے ہوں تو اس میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے۔ اگر باتیں آہستہ آہستہ کی جا رہی ہوں تو ان پر کان نہ لگائے جائیں۔ حدیث ہے کہ جو چوری سے باتیں سنتا ہے اس کے کانوں میں قیامت کے دن سیسہ پگھلایا جائے گا۔

(۸) مجلس میں بیٹھ کر کسی کے لباس پر نکتہ چینی کرنا یا اس کے کسی عیب کا مذاق اڑانا بہت بری بات ہے۔ اس سے بدگمانی پیدا ہوتی ہے مسلمانوں کو یہ زیبا نہیں کہ اپنے بھائی کے ساتھ استہزا و تمسخر کریں۔ یہ کبیرہ گناہ ہے۔ غفلت و بے پروائی کے باعث ہجو، دل آزار مذاق، ٹھٹھا وغیرہ فیشن اور فن سمجھے جاتے ہیں۔ گویا گناہ کبیرہ کرنا عادت میں شامل ہو گیا (اللہ محفوظ رکھے)

لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا
خیراً منهم ولا نساء من نساءٍ
علی ان یکن خیراً منهن

کوئی جماعت کسی کے ساتھ ٹھٹھا نہ کرے شاید وہ (اللہ کے نزدیک) ان سے بہتر ہوں" یہی حکم عورتوں کے لئے بھی ہے۔

استہزا یعنی کسی کی اہانت و تحقیر اور اس کے عیب کا اظہار اس طرح کیا جائے کہ لوگ ہنسیں۔ اس کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً کسی کے چلنے پھرنے کی نقل اتارنا۔ قد و قامت اور شکل و صورت کی نقل کرنا وغیرہ۔ بعض اسے بھی ایک آرٹ سمجھتے ہیں اور پورے فنکارانہ انداز سے اس آرٹ کو اپناتے ہیں۔ تاکہ حلقۂ احباب میں زندہ دل مشہور ہو جائیں۔

ویلٌ لکلِّ ھُمزۃٍ لُّمزۃ

(خرابی ہے ہر طعنہ دینے عیب چننے والے کی)

مزاح و خوش طبعی وہ ہے جس میں کوئی بات خلافِ واقعہ زبان سے نہ نکلے۔ اور نہ کسی کی (باقی ص ۱۵)

خطبہ جمعہ

اپنا اور پرایا کون ہے؟

از جناب شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب خطیب جامع مسجد شیرانوالہ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قولہ تعالےٰ:۔

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَهُمْ رَاکِعُوْنَ ۝ مائدہ رکوع

(ترجمہ:۔ تمہارے دوست تو اللہ اور اس کے رسول اور ایماندار لوگ ہیں جو نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں ایسے حال میں کہ وہ عاجزی کرنے والے ہیں۔

ماقبل سے ربط

پچھلی آیتوں میں یہود و نصاریٰ سے دوستی رکھنے سے مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے جس کو سننے کے بعد طبعی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ پھر مسلمانوں کے تعلقات دوستی کن لوگوں سے ہونے چاہئیں۔ اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ ان کا اصلی دوست اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مخلص مسلمانوں کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

برادران اسلام! آج کی معروضات کا عنوان ہے "اپنا اور پرایا کون ہے؟" یاد ہے آپ کو یاد ہوگا کہ بندہ نے اپنے بعض گذشتہ خطبوں میں یہ واضح کیا ہے کہ کئی ایسے الفاظ ہیں جو کتاب سنت میں مستعمل ہوتے ہیں۔ اور ہماری زبان میں بھی ان کا استعمال ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصطلاح میں ان کا مطلب کچھ اور ہوتا ہے۔ اور ہماری زبان اور ہمارے محاورہ میں ان کا مطلب کچھ اور سمجھا جاتا ہے چنانچہ اپنا اور پرایا کے دو لفظ بھی اسی قسم کے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصطلاح میں مسلمانوں کے اپنے اور پرائے کے کچھ اور معنی ہیں

ہمارا محاورہ

ہمارے محاورے میں ہماری برادری وہ ہے جن کے ساتھ نسبتی اتحاد ہو۔ یعنی ایک باپ یا ایک دادا۔ ایک پڑدادا کی اولاد ہو۔ خواہ اس رشتہ کے نتیجے میں ایک بھلا مانس اور دوسرا بدمعاش ہو۔ ایک پاکدامن اور دوسرا زانی ہو۔ ایک مرنجان مرنج شریف انسان اور دوسرا ڈاکو ہو۔ ایک مجاہد۔ کافر کے خون کا پیاسا اور دوسرا کافروں کا مونس و غمخوار ہو۔ آپ نے دیکھا طبیعتوں کے اس شدید اختلاف کے باوجود یہ سب لوگ ایک ہی برادری شمار کئے جاتے ہیں۔ اور سب ایک ہی خاندان کے افراد خیال کئے جاتے ہیں۔

نتیجہ

ایک برادری کے اس تخیل کا بعض اوقات بہت ہی برباد کن اور تباہی خیز نتیجہ نکلتا ہے۔ مثلاً پنجاب میں کئی خاندان آپ کو ایسے ملیں گے جو اپنی لڑکیوں کی شادی دوسرے خاندان میں نہیں کرتے۔ دوسرے خاندان میں شادی کرنا اپنی ذلت اور رسوائی خیال کرتے ہیں۔ اور اپنے خاندان میں لڑکی کے لئے مناسب عمر کا لڑکا مل نہیں سکتا۔ تو ۱۸۔۲۰ سالہ نوجوان لڑکی کو بعض اوقات ۴۔۵ سالہ لڑکے کے ساتھ بیاہ دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس شادی کے وہ بدترین نتائج نکلتے ہیں۔ کہ خدا کی پناہ لڑکی کے دونوں خاندان ددھیال ہوں یا ننھیال ایسے ذلیل ہوتے ہیں۔ اور دنیا کی نظروں سے ایسے گر جاتے ہیں کہ کہیں بھی شرم کے مارے منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے

دوسری مثال ملاحظہ ہو دوسرے خاندان میں شادی نہ کرنے کے نظریے کے ماتحت بعض اوقات لڑکیوں پر ظلم کرنے کی ایک یہ صورت اختیار کی جاتی ہے کہ ایک ۵۔۶ سالہ عمر کی لڑکی کی شادی ایک ۲۰۔۲۵ سالہ عمر کے نوجوان سے کر دی جاتی ہے بظاہر بہانہ بنایا جاتا ہے۔ کہ خاندان سے باہر شادی کرنی نہیں ہے اور خاندان میں اور کوئی جگہ نہیں ہے اور در اصل منشا یہ ہوتا ہے کہ لڑکی کے حصہ کی جائداد باہر نہ جائے۔ پھر وہ شخص اپنی زندگی عیش و عشرت سے بسر کرنے کے لئے دوسری شادی کر لیتا ہے۔ اس کم عمر لڑکی پر اس لئے قبضہ جمائے رکھتا ہے کہ جائداد میرے قبضہ میں رہے۔ یہ مظلوم لڑکی جب ہوش سنبھالے گی۔ تو ایک خونخوار شیرنی یعنی سوکن کو اپنے سامنے غراتی ہوئی پائے گی۔ اس مظلوم لڑکی کی ساری عمر اس خونخوار درندہ شیرنی کی زد میں گذرے گی اور دن یا رات میں کسی وقت بھی اس کا چین نصیب نہیں ہوگا۔ کیا یہ سارا ظلم اس نظریہ کے ماتحت نہیں ہوا کہ شادی اپنی ہی برادری میں ہونی چاہئے۔ اللہ جل شانہٗ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصطلاح میں برادری کی جو معنی آئندہ پیش کی جا رہی ہے۔ اس اصطلاح کے لحاظ سے ایسے مظالم برادری کا دائرہ تنگ ہونے کے لحاظ سے کبھی ہو ہی نہیں سکتے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اللہ تعالیٰ کی اصطلاح میں مسلمان کی برادری

برادران اسلام! اسی آیت میں غور کرنے سے آپ بآسانی اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ساری دنیا کے ایماندار اور اسلام کے ارکان کو ماننے والے انسان ایک ہی برادری ہیں۔ اس برادری میں گورے کالے کی کوئی تمیز نہیں۔ اس میں ہندی۔ افغانی، ایرانی۔ ترکی۔ مصری۔ شامی۔ عراقی۔ افریقی۔ چینی اور جاوی کی کوئی تمیز نہیں۔ بقول شاعر

ع نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

مسلم برادری کے متعلق شہنشاہ کا اعلان

قولہ تعالیٰ:۔ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَوْلِیٰٓئُهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

(سورۃ البقرۃ رکوع ۳۴)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو ایمان لائے۔ ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے ساتھی شیاطین ہیں وہ ان کو روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں ایسے لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔ یہ لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے

نتیجہ:۔ اس آیت کے پہلے حصے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی نظر میں ساری دنیا کے مومن ایک ہی برادری ہیں۔ اس میں رنگ و روپ یا مختلف ملکوں کا باشندہ ہونے کے باعث کوئی امتیاز نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں مسلم برادری

عن عیاض بن حمار المجاشعی ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال ان اللّٰه اوحی الیّ ان تواضعوا حتی لا یفخر احد علی احد ولا یبغی احد علی احد (رواہ مسلم)

ترجمہ:۔ عیاض بن حمار مجاشعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

نے فرمایا۔ بیشک اللہ نے میری طرف وحی کی ہے کہ آپس میں تواضع سے پیش آؤ کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر ظلم کرے۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لینتھین اقوام یفتخرون بآبائھم الذین ماتوا انما ھم فحم من جھنم او لیکونن اھون علی اللہ من الجعل الذی یدھدہ الخراء بانفہ ان اللہ قد اذھب عنکم عبیۃ الجاھلیۃ وفخرھا بالآباء انما ھو مومن تقی او فاجر شقی الناس کلھم بنو آدم و آدم من تراب (رواہ الترمذی وابوداؤد)

(ترجمہ:- ابوہریرہ سے روایت ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ضرور باز آ جائیں۔ وہ لوگ جو اپنے مرے ہوئے باپ دادوں پر فخر کرتے ہیں۔ سوائے اس کے نہیں۔ ان کے باپ دادے دوزخ کے کوئلے ہیں۔ یعنی دوزخ کی آگ میں جل کر سیاہ ہو گئے ہیں۔ ورنہ وہ لوگ اللہ کی نظر میں اس سیاہ کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہو جائیں گے۔ جو پلیدی (یعنی پاخانے) کو اپنی ناک میں لڑھکاتا رہتا ہے۔ بیشک اللہ نے تم سے جاہلیہ کا تکبر اور فخر باپ دادوں کے باعث دور کر دیا ہے۔ سوائے اس کے نہیں کہ آدمی یا تو مومن متقی ہوگا یا گنہگار بدبخت ہوگا۔ آدمی سب آدم کی اولاد ہیں۔ اور آدم مٹی سے تھا۔

نتیجہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی حدیث سے یہ نتیجہ نکلا کہ مسلمان سب آپس میں بھائی بھائی ہیں اس لئے انہیں آپس میں تواضع سے پیش آنا چاہیئے۔ دوسری حدیث سے یہ نتیجہ نکلا کہ سب آدمی آدم کی اولاد ہیں۔ اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے ہوئے ہیں۔ لہذا تم سب ایک ہی ہو۔ پیدائش میں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہے۔

اسلامی برادری میں فضیلت کا باعث

گذشتہ سطور میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں مسلمان ایک مستقل قوم ہے مسلمان کے لفظ میں سب قومیں آکر جذب

یا یوں کہئے کہ ختم ہو جاتی ہیں۔ ہاں ایک چیز کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور ملتی ہے۔ جس کے باعث اس برادری میں شامل ہونے کے بعد بھی دوسروں پر فضیلت اور عزت حاصل ہو سکتی ہے۔ اور وہ چیز کثرت سے یاد الہٰی کرنا۔ اور اللہ تعالےٰ سے دوسروں سے بہت زیادہ ڈرنا ہے جو شخص ان دو چیزوں میں دوسروں سے بڑھا ہوا ہو وہ دوسرے مسلمانوں سے زیادہ معزز اور زیادہ مقبولِ بارگاہِ الٰہی ہوگا۔

قرآن حکیم کی شہادت

قولہ تعالےٰ :-

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ ولا تعد عینٰک عنھم (سورہ الکہف رکوع ۴)

ترجمہ:- اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے۔ جو صبح وشام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں۔

حاصل

اس آیت سے یہ حاصل نکلا کہ مسلمانوں کو ان لوگوں کے ساتھ نشست وبرخاست رکھنی چاہیئے۔ جو لوگ صبح وشام اللہ تعالےٰ کی یاد میں محو رہتے ہیں اور ہر وقت اللہ تعالےٰ کی رضا کے طالب ہیں مسلمانوں میں سے جو لوگ ان صفات حمیدہ سے متصف ہیں دوسرے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ایسے مسلمانوں سے نشست وبرخاست رکھو۔ تو معلوم ہوا کہ ان خدا یاد کرنے والوں کو دوسرے مسلمانوں پر فضیلت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی شہادت

عن ابی ذر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ انک لست بخیر من احمر ولا اسود الا ان تفضلہ بتقوی (رواہ احمد)

ترجمہ:- ابوذر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا۔ بیشک تو کسی سرخ اور سیاہ (انسان) سے بہتر نہیں ہے مگر اس صورت میں تو بہتر ہوگا۔ کہ تو اس سے پرہیزگاری میں بڑھ جائے۔

حاصل

اس حدیث شریف سے یہ حاصل نکلا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے پرہیزگاری کی برکت سے زیادہ معزز ہو سکتا ہے۔

دعا:- اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ہم سب مسلمانوں کو

انتقالِ پُرملال

قاضی مرید حسین صاحب ناظم انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور فالج گر جانے کے باعث ۴ اگست ۱۹۵۶ء کو میو ہسپتال لاہور میں انتقال کر گئے مرحوم محکمہ ڈاکخانہ کے پنشنر تھے کئی سال سے فی سبیل اللہ انجمن میں بطور ناظم کام کر رہے تھے۔ مرحوم پابند صوم وصلوٰۃ ہونے کے علاوہ حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہو چکے تھے۔ محلہ کی مسجد کی امامت کے فرائض خود انجام دیتے تھے

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں!

اللہ تعالےٰ ان کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل مرحمت فرمائے۔ آمین یا الٰہ العلمین!

نعتُ النبیِ الخاتم صلی اللہ علیہ وسلم

از جناب مفتی جمیل احمد صاحب جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

نورِ مجسم، فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم — فیضِ مسلسل، رحمتِ پیہم صلی اللہ علیہ وسلم

ہر ہر وصف کے مظہرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم — شانِ الٰہی، صورتِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم

گلشنِ عشقِ خدا کے مالی، ملکِ محبت کے والی — محبوب اور محبِّ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

ختمِ رسل، سردارِ خلائق، اشرفِ عالم سب سے فائق — رشکِ مسیح و نازشِ آدم صلی اللہ علیہ وسلم

صدرِ نبوت، فخرِ رسالت، مایۂ نازِ عزّ و جلالت — ساری بزرگی جن میں فراہم صلی اللہ علیہ وسلم

ہادیٔ جنّ و انس و ملک کے، رہبر اہلِ ارض و فلک کے — بزمِ ہدیٰ کے صدرِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم

فرشِ زمیں پر رعبِ مکمل، عرش پہ چرچا، چرخ پہ ہلچل — زیرِ نگیں ہیں دونوں عالم صلی اللہ علیہ وسلم

باعثِ خلقِ کون و مکاں بھی، ابرِ رحمت ہر دو جہاں بھی — بخشش و رحمت جن کی مسلّم صلی اللہ علیہ وسلم

چہرہ انور، مہر منوّر، قلبِ مصطفےٰ، پاک و مطہّر — ہر ہر لفظ ہے جن کا مُلہم صلی اللہ علیہ وسلم

روح پہ وہ اسرار کی بارش، قلب پہ یوں انوار کی بارش — ہر دن، ہر دم، چھم چھم چھم چھم صلی اللہ علیہ وسلم

دوش پہ کمبل، گھر میں فاقے، نذرِ سخا جو آئے خزانے — کیسے فقر و شاہی باہم صلی اللہ علیہ وسلم

مسجد میں رنجش پہ تو غصہ، طائف میں زخموں پہ تحمّل — نفس پہ صبر اور دین میں برہم صلی اللہ علیہ وسلم

دنیا، عقبیٰ، ارض و سما میں افضل و اعلیٰ ہر دو سرا میں — سب سے اونچا آپ کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم

اُمّی، لیکن علمِ لدنّی، اول و آخر سب سے عالی — سب سے اعلیٰ سب سے اعلم صلی اللہ علیہ وسلم

ساقی، ازل سے لیکر ابد تک بٹتا ساغرِ عام بلا شک — جن کے کرم میں کوثر بھی کم صلی اللہ علیہ وسلم

امّت جن کی خیرِ امت جس پہ نبیوں تک کو حیرت — جن کے پیرو عیسیٰ مریم صلی اللہ علیہ وسلم

دہر کے نجم و کوکب سارے شمس و قمر پر حسن کے جلوے

جن کے نور کے آگے مدھم صلی اللہ علیہ وسلم

اقسام القرآن

قرآن میں قسموں کے بیان کی حقیقت

از جناب میاں عبدالرحمٰن صاحب پرنسپل عثمانیہ کالج شیخوپورہ

دنیا میں کئی قسم کی چیزیں ہیں۔ جن کی لوگ قسم کھاتے ہیں (۱) اپنے معبود کی (۲) کسی معظم و محترم ہستی کی۔ (۳) کسی مہتم بالشان چیز کی۔ (۴) کسی محبوب یا نادر شے کی تاکہ اس کی خوبی جتلائی جائے۔

(۱) مقسم بہ (جس کی قسم کھائی گئی ہے) مقسم علیہ (جس مضمون پر قسم کھائی گئی ہے) کے مناسب ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ مقسم بہ کو مقسم علیہ کے لئے شاہد گردانا جائے۔ جیسے ذوق نے کہا ہے۔

اتنا ہوں تیری تیغ کا شرمندۂ احسان
سر میرا ترے سر کی قسم اٹھ نہیں سکتا

یہاں اپنے سر کے نہ اٹھ سکنے پر محبوب کے سر کی قسم کھانا کس قدر موزوں ہے۔

شریعت حقہ نے غیر اللہ کی قسم کھانا بندوں کے لئے حرام کر دیا۔ لیکن اللہ تعالےٰ کی شان بندوں سے جداگانہ ہے۔ وہ اپنے غیر کی قسم کھاتا ہے۔ اور عموماً ان چیزوں کی جو اس کے نزدیک محبوب یا نافع یا وقیع و مہتم بالشان ہوں یا مقسم علیہ کے لئے بطور شاہد و حجت کا کام دے سکیں۔ سورہ قیامہ پ ۲۹ میں یوم قیامت کی قسم اس کے نہایت وقیع اور مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے ہے اور جس مضمون پر قسم کھائی ہے اس سے مناسبت ظاہر ہے۔ کیونکہ بعث و مجازات کا ظرف ہی یوم قیامت ہے۔ ان قسموں کو جواب قسم سے مناسبت یہ ہے کہ ان سب سے اللہ تعالےٰ کا مالک احکمہ و ازمنہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ سورہ شمس پارہ ۳۰ میں اللہ تعالےٰ نے سورج اور چاند کی قسمیں کھائی ہیں۔ اسی طرح دن اور رات کی زمین و آسمان کی اور نفس کی۔ ان قسموں کا جواب قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا میں ہے۔

اس کو قسموں سے یہ مناسبت ہے کہ جس طرح اللہ تعالےٰ نے اپنی حکمت سے سورج کی دھوپ اور چاند کی چاندنی، دن کا اجالا۔ رات کا اندھیرا آسمان کی بلندی اور زمین کی پستی کو ایک دوسرے کے مقابل پیدا کیا۔ اور نفس انسانی میں خیر و شر کی متقابل قوتیں رکھیں اور دونوں کو سمجھنے اور ان پر چلنے کی قدرت دی۔ اسی طرح متضاد اور مختلف اعمال پر مختلف ثمرات و نتائج مرتب کرنا بھی اسی حکیم مطلق کا کام ہے۔ خیر و شر اور ان دونوں کے مختلف آثار و نتائج کا عالم میں پایا جانا بھی حکمت تخلیق کے اعتبار سے ایسا ہی موزوں و مناسب ہے جیسے اندھیرے اور اجالے کا نتیجہ۔

سورہ الضحیٰ پ ۳۰ میں اللہ تعالےٰ نے چڑھتے وقت کی دھوپ اور چھائی ہوئی رات کی قسم کھا کر بیان کیا ہے کہ اے میرے پیارے حبیب! تجھ کو تیرے رب نے نہ تو رخصت کیا اور نہ ہی وہ بیزار ہوا بلکہ تیری آخرت پہلی حالت سے بہتر ہے۔ روایات صحیحہ میں ہے کہ جبرئیل دیر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ آئے یعنی وحی قرآنی بند رہی۔ مشرکین کہنے لگے۔ لیجئے محمدؐ کو اس کے رب نے رخصت کر دیا۔ اس کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں اور یہ زمانہ فترۃ الوحی کا بھی ہو سکتا ہے۔ جب سورہ "اقراء" کی ابتدائی آیات نازل ہونے کے بعد ایک طویل مدت تک وحی رکی رہی تھی اور حضور خود اس فترت کے زمانہ میں سخت مغموم و مضطرب رہتے تھے۔ تا آنکہ فرشتہ نے اللہ کی طرف سے "یا ایھا المدثر" کا خطاب سنایا۔ اغلب ہے کہ اس وقت مخالفوں نے اس طرح کی چہ میگوئیاں کی ہوں۔ چنانچہ ابن کثیر نے محمد بن اسحاق وغیرہ سے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ اسی احتمال کی تائید کرتے ہیں۔ ممکن ہے اسی دوران میں وہ قصہ بھی پیش آیا ہو۔ جو بعض احادیث صحیحہ میں بیان ہوا ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ بیماری کی وجہ سے دو تین رات نہ اٹھ سکے تو ایک خبیث عورت کہنے لگی اے محمدؐ! معلوم ہوتا ہے تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے۔ (العیاذ باللہ) غرض ان سب خرافات کا جواب سورۃ والضحیٰ میں دیا گیا ہے پہلی قسم کھائی دھوپ چڑھتے وقت کی اور اندھیری رات کی پھر فرمایا کہ دشمنوں کے سب خیالات غلط ہیں نہ تیرا رب تجھ سے ناراض اور بیزار ہوا۔ نہ تجھ کو رخصت کیا بلکہ جس طرح وہ ظاہر میں اپنی قدرت و حکمت کے مختلف نشان ظاہر کرتا۔ دن کے پیچھے رات اور رات کے پیچھے دن کو لاتا ہے۔ یہی کیفیت باطنی حالات کی سمجھو۔ اگر سورج کی دھوپ کے بعد رات کی تاریکی کا آنا اللہ کی خفگی اور ناراضگی کی دلیل نہیں اور نہ اس کا ثبوت ہے کہ اس کے بعد دن کا اجالا کبھی نہیں ہوگا۔ تو چند روز وحی کے رکے رہنے سے یہ کیونکر سمجھ لیا جائے کہ آجکل خدا اپنے منتخب کئے ہوئے پیغمبر سے ناراض ہو گیا اور ہمیشہ کے لئے وحی کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ ایسا کہنا تو خدا کے علم محیط اور حکمت بالغہ پر اعتراض کرنا ہے۔ گویا اُسے خبر نہ تھی کہ جس کو میں نبی بنا رہا ہوں۔ وہ آئندہ چل کر اس کا اہل ثابت نہ ہوگا۔ (العیاذ باللہ) آپ کی پچھلی حالت پہلی حالت سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ وحی کی یہ چند روزہ رکاوٹ آپ کے نزول و انحطاط کا سبب نہیں بلکہ بیش از بیش عروج و ارتقاء کا ذریعہ ہے۔ اور اگر پچھلی سے بھی پچھلی حالت کا تصور کیا جائے یعنی آخرت کی شان و شکوہ کا۔ جبکہ آدم اور آدم کی ساری اولاد آپ کے جھنڈے تلے جمع ہوگی تو وہاں کی بزرگی اور فضیلت تو یہاں کے اعزاز و اکرام سے بے شمار درجہ بڑھ کر ہے۔ ناراض اور بیزار ہو کر چھوڑ دینا کیسا۔ ابھی تو تیرا رب تجھ کو دنیا اور آخرت میں اس قدر دولتیں اور نعمتیں عطا فرمائے گا۔ کہ تو پوری طرح مطمئن اور راضی ہو جائے۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ محمد راضی نہیں ہوگا۔ جب تک اس کی امت کا ایک آدمی بھی دوزخ میں رہے گا (حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی)

(۲) قسم کے ساتھ تاکید کلام کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ جس چیز کی قسم کھائی جائے اس کے نام کی عظمت کی وجہ سے قسم کھانے والا جھوٹ سے رکتا اور ڈرتا ہے۔ کہ اگر اس کا نام لے کر جھوٹ بولوں گا تو وبال میں گرفتار ہو جاؤں گا یہ صورت تو قرآن میں اللہ کی کھائی ہوئی قسموں کی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ مخلوق میں کوئی ایسا معظم نہیں جس کا نام لینا خدا تعالےٰ کو کسی امر سے مانع ہو۔

دوسری صورت تاکید بہ قسم کی یہ ہے کہ مقسم بہ سے جواب قسم کی توضیح مقصود ہوتی ہے۔ میں نے جہاں تک غور کیا تو اقسام قرآن میں یہی صورت معلوم ہوئی کہ مقسم بہ کو جواب قسم کی توضیح میں بڑا دخل ہوتا ہے اور یہ بہت بڑا علم ہے۔ لیکن ہر مقام پر سیاق و سباق کو سمجھنا اور غور کرنا پڑتا ہے اور غور کرنے سے قسم و جواب قسم میں ارتباط معلوم ہوتا ہے۔

دُنیا

از جناب حکیم حافظ محمد یوسف صاحب شہید چغتائی ایڈیٹر ماہنامہ الشیف گکھڑ (ملتان)

یہی دُنیا ہے کہ تماشا گاہ فطرت ہے اسی کے تماشے دیدنی ہیں۔ اسی کے افسانے شنیدنی ہیں۔ اس کی شراب تیز و تند اور خواب آور ہے۔ جنہوں نے پی وہ غفلت کی نیند سو گئے۔ مبارک وہ جو بیدار رہے اور تماشہ بینی میں حقیقت بین رہے۔ انہوں نے دیکھا کہ دنیا کا ہر ایک ذرہ ایک کتاب ہے اور ہر ایک کتاب اپنی عبارت جُدا معنی جدا۔ مگر مفہوم ایک ہی رکھتی ہے۔ ہر ایک کتاب اپنا باب جدا۔ فصل جدا۔ مگر موضوع ایک ہی رکھتی ہے۔ جیسے لیمپ کے شعلوں پر چمنیاں اور چمنیوں پر غبارے۔ اس لئے یہ مصحف عالم پڑھنے کا اور غور و فکر کرنے کا ہے۔ اس کے عجیب و غریب اسرار کھلتے بھی جاتے ہیں۔ پھر بھی راز ہی ہیں۔

دنیا کی یہ نیرنگیاں ہیں کہ گلستان کے ساتھ خارستان بھی۔ راحت کے ساتھ مصیبت بھی۔ رنج کے ساتھ خوشی بھی۔ تلخی کے ساتھ شیرینی بھی۔ بھلائی برائی توام یعنی یہ متضاد مجمع البحرین عالم ہے۔ اس کے باشندے بھی جیسے صورت میں مختلف۔ سیرت میں مختلف ویسے ہی مذہب اور خیال میں مختلف ہیں۔ تو ایک گروہ یہ کہنے کھڑا ہوا کہ ہم دنیا کے لئے پیدا کئے گئے۔ ہمارا کام ہے دنیا میں عیش و عشرت منانا اور مر جانا اور دوسرا گروہ یہ کہنے کھڑا ہوا کہ دنیا ہمارے لئے پیدا کی گئی۔ ہمارا کام ہے مزرعۃ الآخرۃ میں زراعت کرنا اور دوسرے عالم کے لئے ذخیرہ کرنا تو پہلا گروہ دنیا کا ہو کر چند دنوں کی بات تھی۔ ادھر مرا اُدھر دنیا دوسرے کی ہو گئی۔ دوسرا گروہ دو جماعتوں میں منقسم ہوا۔ ایک جماعت نے دنیا کو چھوڑا۔ مگر دنیا نے اسے نہ چھوڑا۔ دوسری جماعت نے ایک مزرعۃ الآخرۃ میں زراعت کی محنت کی اور محاصل کاٹ کر بامراد گھر لے گیا تو دنیا کیا بڑی ہو گی اور کیوں بڑی ہونے لگی۔ غریب زمین نے کیا بگاڑا۔ یہ نیلے آسمان نے کیا گولے برسائے۔ یہ زمین و آسمان کی مخلوق نے کیا پہاڑ توڑے۔ یہ دُنیا تو انسان کے لئے ہے۔ جس کے ساتھ اس کے فوائد اور اس کی حیات و موت وابستہ ہے۔ اسی لئے یہ دنیا بری نہیں۔ حیات دنیاوی ہی کو برا کہو۔ بھلا کہو۔ اگر حیات دُنیاوی تمہارے لئے درستی اخلاق سے دین ہو گئی ہے تو تمہاری دنیا دین ہے۔ اور اگر حیات دنیاوی میں ہر ماسوائے اللہ اور دنیاوی چیزوں نے غلبہ کیا۔ سطوت حاصل کر لی ہے کہ اس میں دینی ہدایات بھی ڈھک گئیں تو تمہارا دین بھی دنیا ہے۔ اس لئے خدا نے اس دُنیا کی مذمت نہیں کی۔ نہ اس کو چھوڑ دینے کو کہا۔ نہ کوئی دنیاوی مخلوق کو چھوڑ کر باہر جا بھی سکے۔ ہاں حیات دنیاوی کی نسبت ان کی واضح ہدایتیں ہیں۔ مختصر یہ کہ حیات دنیاوی ہی دنیا یا دین ہے۔ اب اس کو جیسا بناؤ خدا فرماتا ہے۔ زین للذین کفروا الحیوٰۃ الدنیا۔ کافروں کو حیات دنیاوی بھلی دکھائی گئی (بقرہ ع ۲۴) دنیاوی زندگی پر ریجھنا کافروں کی شان ہے۔ مگر فی زمانہ مسلمانوں کا بھی یہی حال ہو رہا ہے۔ دولت اور دنیاوی ہی بھڑک کو انہوں نے اپنے کمال ترقی کی معراج سمجھا ہے۔ اور اس میں منہمک ہو کر مذہب اور عزت سب کو خیرباد کہنے لگے ہیں۔ پھر بھی دنیا ان کی نہ ہوئی۔ دنیا کے جانے سے دین بھی گیا۔

خسر الدنیا والآخرۃ (ج) یہ دُنیا کے ہو گئے تو دنیا ان پر حکمران ہو گئی۔ اگر یہ دنیا اور خواہشات پر حکمران ہوتے تو یہ یہ دنیا ان کی ہوتی اور محرم ہو کر رہتی

حیات دنیاوی کا دوسرا نام حب الشہوات ہے۔ زین للناس حب الشہوات من النسآء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث ذالک متاع الدنیا۔ حب الشہوات انسان کو بھلی دکھائی گئی۔ یعنی محبت عورتوں، بیٹوں، سونے چاندی کے خزانوں۔ نشان کئے ہوئے گھوڑوں مویشیوں اور کھیتی کی۔ یہ تو حیات دنیاوی کے فوائد ہیں۔ اور بہتر ٹھکانا تو خدا کے قرب میں ہے وکل عمران پناہ خدا ہی کے قرب میں ملتا ہے۔ یہ چیزیں پناہ دینے والی نہیں۔ بلکہ ان کی محبت تباہ کن اور پریشان حال کرنے والی ہے۔ اس میں نہ سکون ہے نہ اطمینان۔ جس نے ان سے دل لگایا وہ تباہ ہوا۔ دیکھو دنیا اس میں ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہے۔ خدا نے حب النساء والبنین نہیں فرمایا۔ بلکہ حب الشہوات من النساء والبنین کیونکہ نہ بیبیاں اور نہ بیٹے دشمن بلکہ ان کی محبت جو محبوب حقیقی سے ہٹائے ہے وہ مضر اور تباہ کن ہے کیونکہ بیبیاں کرنی مقتضائے فطرت ہے۔ خدا ہی نے فرمایا۔ عورتیں اس لئے پیدا کی گئیں۔ لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ و رحمۃ۔ مودت تو فطرتاً خدا ہی نے ڈال دی۔ پھر وہ اس کو مذموم کیوں قرار دیتا۔ اسی طرح اولاد کی محبت۔ اسی لئے خدا نے فرمایا۔ بیٹوں اور بیبیوں کے ساتھ خواہشات نفسانی کی محبت بھلی دکھائی گئی۔ یعنی وہ محبت نہیں جو فطرتی ہو۔ بلکہ حد سے تجاوز کی ہوئی اور شہوات کے درجے پر پہنچی ہوئی۔ محبت کو مذموم فرمایا کہ یہ بھلی ہے۔ نہیں۔ مگر بھلی دکھائی گئی کہ اسی پر دنیا مری مٹی ہوتی ہے۔

دنیاوی چیزوں سے دل لگانا تو سراب کے پیچھے دھوکا کھانا ہے۔ وما الحیوٰۃ الدنیا الا متاع الغرور۔ حیات دنیاوی تو دھوکہ کی پونجی ہے (حدیدؔ) اور غرور کا موجد شیطان ہے۔ پہلے اسی نے غرور کیا اور غرور کا تخم بویا۔ اس غرور سے ملعون ہی ہوا۔ اور غرور تو تائب ہونے دیتا نہیں۔ اب تک وہ تائب بھی نہیں ہوا۔ دنیا کو دیکھو یا تو غرور کرتے یا غرور کے مواد حاصل کرنے میں پڑی ہے اور دنیا میں بہت زیادہ فساد اسی کا ہے۔ حیات دنیاوی اسی کے ہاتھوں مذبوح ہے۔

خدا نے فرمایا۔ جعلنٰکم خلائف فی الارض من بعدھم لننظر کیف تعملون۔ ان لوگوں کے بعد ہم نے تم کو دنیا میں خلیفہ بنایا۔ تاکہ دیکھیں تم کیسے اعمال کرتے ہو (یونس ع ۲) یہ دنیا تو دارالامتحان ہے۔ اس امتحان سے کون بچا۔ پھر ہم کیوں بچے۔ تو بطور آزمائش اس نے ہم کو اونچا بھی کیا اور نیچا بھی۔ اونچے ہوئے تو دنیائے عیش و عشرت پر ٹوٹے اور نیچے ہوئے تو سب کچھ کھونے کے ساتھ دین و ایمان کو بھی کھو بیٹھے۔ خدا نے ہوشیار کر دیا تھا۔ ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم

مستھم الباساء والضراء وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین امنوا معہ متی نصر اللہ الا ان نصر اللہ قریب۔ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ ان کی حالتیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ تم کو پیش نہیں آئیں۔ ان کو سختیاں پہنچیں۔ تکلیفیں پہنچیں وہ لرزا بھی گئے۔ یہاں تک کہ رسول اور ان کے ساتھی مومنین پکار اٹھے کہ مدد کب آئے گی۔ تو خدا نے جواب دیا کہ سنو اللہ کی مدد قریب ہے (بقرہ ۲۱۴) غرض اس دار الامتحان میں عبودیت اور محبت کا امتحان ہے۔ اور کامیاب ہونے کا اندرونی معیار تم کو بتا دیا گیا ہے کہ تمہارا حال یہ ہو جانا چاہیئے۔ انت ولی فی الدنیا والاخرۃ۔ دین و دنیا میں تو ہی ہمارا دوست ہے۔ (یوسف ۱۰۱) خدا نے فرمایا۔ اعلموا انما الحیوٰۃ الدنیا لعب ولھو وزینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد۔ آگاہ ہو کہ حیات دنیاوی کھیل اور تماشہ ہے۔ زینت ہے اور ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال و اولاد میں بڑھوتی چاہنا (حدید ۲۰) دنیا والوں کو دیکھو تو ان کی زندگانی انہیں باتوں میں منہمک ہے لیکن ۱؎ منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاخرۃ ۲؎ من یرد ثواب الدنیا نؤتہ منھا ومن یرد ثواب الاخرۃ نؤتہ منھا ۳؎ من کان یرید حرث الاخرۃ نزدلہ فی حرثہ ومن کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منھا وما لہ فی الاخرۃ من نصیب ۱؎ بعض تم میں دنیا کے طالب ہیں اور بعض آخرت کے۔ ۲؎ جو کوئی دنیاوی بھلائی کی نیت کرے۔ تو اسے ہم وہی دیں گے ۳؎ جس کی نیت آخرت کی کھیتی ہوگی تو اس کی کھیتی میں ہم بڑھوتی دیں گے۔ یعنی آخرت کے ساتھ دنیا بھی اور جس کی نیت دنیا کی کھیتی ہوگی تو اسے ہم دنیا تو دیں گے مگر آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہ ہوگا۔

(۱؎ آل عمران ۱۴۵ و ۲؎ آل عمران ۱۵۲۔

۳؎ شوریٰ ۲۰ یعنی دنیا اصل میں نیت ہے۔ تو چاہیے قرون اولیٰ کی روش اختیار کرو۔ تاکہ تم کو دین و دنیا دونوں ملیں۔ چاہے یورپین ترقی کی روشنی دنیا میں تمہاری کامیابی ہو مگر آخرت میں تمہارا کوئی حصہ نہ ہو۔ چند روزہ کامیابی کو کامیابی کہو یا ناکامی۔ مگر بجائے اس کے تمہارا حال تو یہ ہو رہا ہے۔ تو یدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ۔ تم چاہتے ہو مال متاع دنیاوی اور خدا چاہتا ہے تمہاری آخرت کی بہبودی (۶۷) تم خدا کے ہو رہو کہ خدا تمہارا ہو جائے تو اس کی دنیا بھی تمہاری اور دنیا کے ہو رہو گے۔

تو دنیا کی بساط چند ہی دن ہے۔ قل متاع الدنیا قلیل والاخرۃ خیر لمن اتقیٰ۔ اے رسول کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ محض قلیل ہے۔ پرہیزگاروں کے لئے آخرت بہتر ہے۔ ۱۱؎ آخرت کو گھر سمجھو اور دنیا کو تجارت کی منڈی۔ تجارت کرنے کو آئے ہو تو اس منڈی میں تم بھی اپنی دوکان لگاؤ۔ مگر دوکان اس لئے کرو۔ کہ گھر بھرے۔ اس لئے نہیں کہ گھر تمہارا غفلت سے اجڑ جائے اور دوکان پر رونق ہو۔ یہ تمہاری قیام گاہ قرار گاہ نہیں۔ اگر تم ایسا ہی کرو۔ تو کہا ہے۔ ارضیتم بالحیوٰۃ الدنیا من الاخرۃ فما متاع الحیوٰۃ الدنیا فی الاخرۃ الا قلیل۔ کیا تم آخرت کے بدلے دنیاوی زندگی پر راضی ہو بیٹھے ہو۔ تو حیات دنیاوی کی پونجی آخرت کے مقابلے میں تھوڑی ہی ہے۔ ۱۲؎ افسوس کہ تمہارا تو یہی حال ہو رہا ہے۔ کہ تم دنیاوی زندگی پر راضی ہو بیٹھے ہو، اور دین کو الٹا کھیل تماشہ بنا لیا ہے۔ کیونکہ تم کو دنیاوی زندگی کی کامیابیوں نے مغرور کر دیا ہے۔ تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وذر الذین اتخذوا دینھم لھوا ولعبا وغرتھم الحیوٰۃ الدنیا جنھوں نے اپنا دین کھیل تماشہ بنا لیا ہے۔ ان کو دنیاوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ ان کو چھوڑ دو۔ یعنی ان سے قطع تعلق کر لو۔ دنیا نے تم کو اس درجہ مغرور کر رکھا ہے۔ کہ فرمان الٰہی سن کر بھی تم ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ نامراد دنیا کی جھوٹی تعلی پر مرے ہوئے ہو۔ اور اپنے آپ کو اہل دنیا۔ طالب دنیا کتنا فخر بھی جانتے ہو۔ اگرچہ ایک دن دنیا میں نہ رہو گے تم سے سب کچھ چھین لیا جائے گا۔

از جناب حافظ عبد المجید شاکر چغتائی صاحب ہیڈ بکل سٹور کیپر ضلع ملتان

(۱)

بادشاہ کے لئے ضروری ہے کہ اس پسندیدہ اخلاق ہوں۔ ورنہ بصورت دیگر وہ شو بار ہوگا اگر وہ شجاع نہیں تو وہ اپنے مخالفوں سے پورا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ رعیت اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے گی۔ اگر وہ بردبار نہیں تو وہ اپنی سطوت سے لوگوں کو برباد ہی کر ڈالے گا۔ اور اگر وہ صاحب حکمت نہیں تو نفع بخش تدبیر کو عمل میں لانے کے لئے عاجز ہوگا اور بادشاہ کے لئے ضروری ہے کہ عقل مند بالغ آزاد مرد ہو۔ صاحب رائے بینا و شنوا اور گویا ہو۔ لوگ اس کے شرف اور اس کے خاندان کے اعزاز کو تسلیم کرتے ہوں۔ اس کے اور اس کے آباؤ اجداد کے فضائل کو لوگ دیکھ چکے ہوں۔ اور خوب جانتے ہوں کہ بادشاہ مصالح ملکی کی پاسبانی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا۔ یہ سب امور عقل کے ذریعہ سے معلوم ہوتے ہیں اور تمام بنی آدم اس پر متفق ہیں۔ خواہ ان کے شہروں میں کتنا ہی بُعد کیوں نہ ہو۔ اور وہ کسی ہی مذہب کے کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ بادشاہ کے مقرر کرنے سے جو مصلحت مقصود ہے۔ وہ بغیر امور بالا کے مکمل نہیں ہو سکتے۔ اگر بادشاہ ان امور میں فروگذاشت کرے گا۔ تو لوگ اس کو مقصود خلاف جانیں گے۔ اور ان کے دل اس سے بیزار ہو جائیں گے۔ اور اگر وہ خاموش بھی رہیں گے تو ناخوشی اور بادشاہ کے لئے ضروری ہے کہ اپنی رعایا کے دلوں میں وقار پیدا کرے اور پھر اس وقار کو محفوظ رکھے اور مناسب تدبیر سے ان امور کا تدارک کرتا رہے جو اس کے شان کے منافی ہوں۔ اور جو بادشاہ اپنے مرتبہ کو قائم رکھنا چاہے تو وہ ان اعلیٰ ترین اخلاق سے اپنے آپ کو پیراستہ کرے جو اس کی ریاست کے شایان ہوں۔ مثلاً شجاعت و حکمت۔ نظام سے حسب مصلحت درگزر کرنا اور سب کا بھلا چاہنا اور وہ لوگوں سے ایسا معاملہ کرے جو صیاد شکار سے برتتا ہے۔ پس جس طرح شکاری جنگل میں جا کر ہرنوں کو دیکھتا ہے اور اس کی طبیعت و عادت کے مطابق مناسب صورتوں کو سوچتا ہے۔ پس وہ اس کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ وہ دور سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور ان کے آنکھوں اور کانوں کی طرف سے نگاہ بچا کر دیکھتا ہے

صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امی کی سچی پیشگوئی

از جناب بجاد اللہ۔ مدرس مدرسہ عربیہ خیرپور ٹامیوالی بہاولپور ڈویژن

(۱) فتنۂ تاتار اور فتنۂ یورپ اُمّت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کے لئے وہی حکم رکھتے ہیں۔ جو فتنۂ بخت نصر اور ملک طیطوس یہود کے لئے

(۲) یورپ اُمّت مرحومہ کے لئے بڑے مقاصد و عوائم میں ایسے ہی خائب و خاسر ہوگا۔ جیسے قبل ازیں تاتار ہو چکے ہیں۔

ویاتی علی امتی ما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل (الحدیث صحیحین) بعینہ وہی سب کچھ جو بنی اسرائیل پر گزرا۔ میری اُمّت پر بھی گزرنے والا ہے ——— (بنی اسرائیل پر کیا گزرا؟)

کوئی اُمّت ہو۔ جیسے جیسے وہ اپنے نبی کے عہد سے دُور ہوتی چلی جاتی ہے ویسے ہی ان میں وہ خیر و برکت زوال پذیر اور قلیل سے قلیل تر ہوتی جاتی ہے۔ جو زمانۂ نبوت و رحمت میں ان کے اندر آ گئی تھی۔ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم (الحدیث) سب سے افضل اور بہتر زمانہ (خیر و برکت کے اعتبار سے) میرا ہے اور اس کے دوسرے درجہ پر میرے زمانہ کے بعد والوں کا اور پھر ان کے بعد والوں کا۔ یعنی ایسے ہی درجہ بدرجہ مرور ایام سے قلّت خیر و برکت ہوتی چلی جائے گی۔ سو بنی اسرائیل بھی جوں جوں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے عہد سے بعید ہوتے گئے توں توں ان میں ضلالت و گمراہی، تغافل و کاہلی اور طغیانی و عصیان کا دَور دَورہ ہوتا گیا۔ جس کے نتیجہ میں ان کی تعذیب کے لئے خدا تعالےٰ نے ان پر (ولادت مسیح علیہ السلام سے ۵۸۶ سال قبل م ایک بادشاہ (بخت نصر) مسلّط فرمایا۔ فاذا جاء وعد اولیٰھما بعثنا علیکم عبادًا لنا اولی باس شدید فجاسوا خلال الدیار (۱۷:۱) پھر جب پہلا وعدہ آیا تو ہم نے تم پر سخت لڑائی والے بندے بھیج دیئے۔ سو وہ پھیل پڑے شہروں میں۔

بنی اسرائیل پر بخت نصر کا تسلّط محض اس لئے تھا۔ تاکہ انہیں متنبّہ اور خواب غفلت سے بیدار کیا جائے اور بتلا دیا جائے (فعلاً و عملاً) کہ اس سرائے فانی میں مستقل طور پر ارتقاء عروج اور سطوت و بالا دستی فقط اسی قوم کا حصّہ ہے جو اپنے آپ کو قوانین الٰہیہ کا پورا پورا پابند ثابت کرے۔

اس کے بعد ان کی شان و شوکت اور سلطنت و شاہی بحال کر دی گئی۔ ثم رددنا لکم الکرۃ علیھم وامددنٰکم باموال وبنین وجعلنٰکم اکثر نفیرًا ان احسنتم احسنتم لانفسکم وان اسأتم فلھا (۱۷:۱) پھر ہم نے تمہاری باری ان پر پھیر دی۔ اور تمہیں مال و دولت اور بیٹوں سے قوت بخشی اور تمہارا لشکر بھی اس سے زیادہ کر دیا۔ اگر تم نے بھلائی کی تو اپنے لئے بھلائی کی اور اگر بُرائی کی تو اپنے (کو بدی کے مہلک نتائج) کے لئے (تیار کیا)

لیکن بنی اسرائیل میں گزشتہ تنبیہ کا اثر کچھ زیادہ دیر تک باقی نہیں رہا۔ بلکہ انہوں نے فقط چھ سو سال کے اندر اندر ظلم و استبداد اور سرکشی و تمرد کی وہ نذیر پیش کی کہ جس کا نتیجہ انہیں (ولادت مسیح علیہ السلام کے تقریباً ستّرہ سال بعد) طیطوس ملک روم کی صورت میں دیکھنا پڑا۔ فاذا جاء وعد الاخرۃ لیسوٗءا وجوھکم ولیدخلوا المسجد کما دخلوہ اول مرۃ ولیتبروا ما علوا تتبیرا (۱۷:۱) جب دوسرا وعدہ پہنچا تو ہم نے اور بندے بھیج دیئے تاکہ تمہارے چہروں کو بگاڑ دیں اور مسجد میں ایسے گھس جائیں۔ جیسے پہلے گھسے تھے۔ اور جس جگہ غالب ہوں۔ حد درجہ کی خرابی کر دیں۔

الغرض بنی اسرائیل کی تاریخ میں دو دور ایسے نظر آتے ہیں کہ جن میں قوم من حیث القوم اقتدار کھو بیٹھی۔ وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب لتفسدن فی الارض مرتین ولتعلن علوا کبیرا (۱۷:۱) ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں صاف صاف کہہ سنایا کہ تم ملک میں (اپنی سرکشی اور تجاوز کے سبب) دو دفعہ بہت ہی بُری طرح سے خرابی کرو گے۔

اس اُمّت پر کیا گزرنے والا ہے؟

ارشاد نبوی، یاتی علی امتی ما اتی علی بنی اسرائیل کہ میری امت پر وہی کچھ گزرنے والا ہے جو بنی اسرائیل پر گزرا۔ سے صاف صاف معلوم ہو رہا ہے۔ کہ جس طرح بنی اسرائیل پر دو دَور ایسے آئے کہ جن میں ان کا قومی و ملّی اقتدار ان کی بد عملی کے سبب کچھ عرصہ کے لئے خاک میں مل گیا۔ اسی طرح اُمّت محمّدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات پر بھی دو ایسے وقت آنے والے ہیں۔ جنہیں انہیں خلافت فی الارض کے حقوق سے کئی ایام کے لئے مجبورًا دست بردار ہونا پڑے گا۔ تو آیئے ہم اپنی تاریخ ماضیہ کا نظر غائر سے مطالعہ کریں۔ کیا ہمیں اس پیشگوئی کی صداقت سے طمانیت قلبی نصیب ہوتی ہے؟ لیطمئن قلبی (۲: ۳۴)

۱۳ صدیوں پر ایک نظر

جب ہم اپنی تاریخ کی گزشتہ ۱۳ صدیوں کی طرف مڑ کر دیکھیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل کی طرح ہم بھی جتنے عہد نبوی سے دور ہوتے گئے۔ تنے ہی نبوت کے رحمتوں اور برکتوں سے بالتدریج محروم ہوتے چلے گئے۔ الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ ثم ملک عضوض (الحدیث) میرے بعد خلافت تیس برس تک رہے گی۔ پھر ملکت و سلطنت اور بادشاہت و فرمانروائی ہوگی۔ یعنی علیٰ سبیل الاتم خلافت علےٰ منہج النبوۃ نہ ہوگی۔ اس حدیث شریف کے مطابق اُمّت موصوفہ کے تین دور ہوتے ہیں:۔

تین دور

(۱) عہد نبوت و رحمت (۲) عہد خلافت و نیابت

(۳) بادشاہی و حکمرانی۔

(۱) عہد نبوت و رحمت! اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کا یہ دور برکت و رحمت کے اعتبار سے وہ دور ہے۔ جبکہ ان کے روحانی و جسمانی، ظاہری و باطنی قویٰ عنفوان شباب پر تھے۔ یہ دور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات پر ختم ہو گیا۔

دورِ خلافت و برکت

یہ عہد فی الحقیقت عہد نبوت کا تتمہ اور جزو لازم تھا۔ یہ عین پیشینگوئی کے مطابق سنہ ۱۱ھ سے شروع ہو کر سنہ ۴۱ھ (فقط تیس سال) تک باقی رہا۔

تیسرا دور

محض دبدبہ و سطوت اور سلطنت و بادشاہت کا دور تھا۔ نبوت کی رحمتوں اور برکتوں کے فقدان اور خیانت و خسران اور ظہور فتن کی ایک تدریجی ترقی کا دور تھا۔ اس کی پھر دو قسمیں ہیں (۱) خلافت امویہ۔ (۲) خلافت عباسیہ۔ عہد اول (بنو امیہ) سنہ ۴۱ھ سے شروع ہو کر سنہ ۱۳۲ھ تک رہا۔ اس کے بعد خلافت نے ایک نیا ورق اُلٹا۔ اور سنہ ۱۳۲ھ سے خلافت عباسیہ کا دور شروع ہو گیا۔ خلافت اسلامیہ کا سب سے بڑا دور یہی شمار ہوتا ہے جو سنہ ۶۵۶ھ تک رہا۔ چونکہ کامل پانچ صدیوں تک حکمرانی ایک گھرانے میں رہی۔ اس لئے وہ تمام ذہنی و روحانی، اجتماعی و تمدنی فسادات نہایۃ درجہ تک پہنچ گئے جو ہمیشہ امتداد سلطنت اور عروج تمدن کے لازمی نتائج رہے ہیں۔ یہ ٹھیک وہ وقت تھا، جب موجودہ مقتدر طبقہ حکومت کی باگ ڈور کو صحیح سنبھالنے اور قیام شریعت کا اہل نہ رہا۔ لما ضعف امر قریش (بنی عباس) وتلاشت عصبیتھم بما نالھم من الترف والنعم (الیٰ ان قال) عجزوا عن حمل الخلافۃ (مقدمہ تاریخ ابن خلدون)

پس وہی ہوا جو تاریخ عالم کے ہر ایسے دور میں ہوتا آیا ہے۔ کہ سنہ ۶۵۶ھ میں ہلاکو خاں تاتار نے بغداد پر حملہ کر کے صرف عباسی خاندان کے آخری خلیفہ المستعصم کو نہیں بلکہ خلافت عربیہ کو شہید کر دیا۔ فما کان قیس ھلکہ ھلک واحد، ولکنہ بنیان قوم تھدما، فتنۂ تاتار عالم اسلام کے لئے وہی حکم رکھتا ہے۔ جو فتنۂ بخت نصر بنی اسرائیل کے لئے۔ بنی اسرائیل کی پہلی تباہی ایشیا کے ایک قوم کے ہاتھوں ہوئی۔ اور بموجب پیشینگوئی یاتی علیٰ امتی الخ امت مسلمہ کے اقتدار کو پہلی ٹھوکر ایشیا کی ایک جابر و قاہر قوم (تاتار) سے لگی۔ فاذا جاء وعد اولیھما الآیہ (۱:۱۷)

اس عرصہ میں عالم اسلام طرح طرح کے انقلابات و حوادث سے دوچار ہو کر بالآخر ایک نئے دور (خلافت عثمانیہ) میں منتقل ہو گیا اور عباسی خلیفہ المتوکل نے سلطان سلیم خاں اوّل کے ہاتھ پر بیعت کر کے تمام حقوق و امتیازات خلافت اسے سپرد کر دیئے اس وقت اہالیان اسلام کا اقتدار پھر سے سنبھلنا شروع ہو گیا۔ ثم رددنا لکم الکرۃ: الآیہ (۱:۱۷) اور صدیوں تک علَم خلافت اسلام بلاد اسلام اور اہل اسلام کی حفاظت کی تلوار انہیں (عثمانیہ) کے ہاتھ میں رہی۔ مدتوں تک انہیں کی لاشیں اسلام کے لئے خاک و خون میں غلطاں رہیں۔ حتیٰ کہ سنہ ۱۹۱۴ء میں برٹش گورنمنٹ نے خلافت اسلامیہ کے خاتمہ کے ناپاک ارادہ سے عثمانیہ ترکی پر حملہ کر کے ہمیں ظل خلافت سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا۔ بنی اسرائیل کی طرح ہمارے لئے بھی یورپ سے ایک قوم باد صرصر بن کر آئی۔ جس نے ہمارے اقتدار کے چمن زار کو راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر کے رکھ دیا۔ فاذا جاء وعد الآخرۃ: (۱،۱۷)

برٹش گورنمنٹ نے صرف ہمارا اقتدار نہیں چھینا۔ بلکہ ہمارا مذہب، تمدن، تہذیب، دولت و ثروت، شرم و حیا، خود داری و بیداری۔ آپس کے خلوص و ہمدردی کا جذبہ غرضیکہ ہر اچھی سُنت و طریقہ کی جگہ بدتر سے بدترین خصلت و عادت ہم میں پیدا کر دیں۔ حتیٰ کہ ہم میں حلق لحیہ کی شرمناک عادت ڈال کر ہمیں اس آیت شریفہ کا پورا مصداق بنا دیا ہے: لیسوء وا وجوھکم الآیہ (۱،۱۷)

یہ وہ دور ہے جس میں اُمت مسلمہ تا حال مبتلا ہے۔

اگر ہم اپنے آپ کو اب بھی خواب غفلت سے بیدار کر لیں اور اطاعت اللہ و رسولہ کے لئے پوری طرح تیار ہو جائیں اور قوانین قرآن مجید پر صحیح معنوں میں عمل پیرا ہو جائیں تو کوئی وجہ نہیں جہاں ہم پر قرآن و حدیث کی دوسری پیشگوئیاں لفظ بہ لفظ صادق آئی ہیں۔ وہاں آخری پیشینگوئی عسیٰ ربکم ان یرحمکم الآیہ (۱،۱۷) صادق نہ آئے۔ بلکہ پوری ہو گی اور ضرور بالضرور پوری ہو گی۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز کیا لوح و قلم تیرے ہیں

خدا کی قسم! اگر ہم اپنے اعمال کو دُرست کر لیں اور ہماری ہر حرکت و سکون قرآن و حدیث کے مطابق ہو، تو لازماً وہ دور آنے والا ہے۔ جس کا یہ حال ہوگا: لا یدری اولھا خیر ام آخرھا نہیں کہا جا سکتا کہ اس اُمت کی ابتداء زیادہ کامیاب تھی یا انتہاء زیادہ کامیاب ہوگی۔ یہ وہ دور ہوگا جو خیر و برکت، عدل و انصاف کے اعتبار سے قرون اولیٰ کی مثال زندہ کر دے گا۔ جس میں خدا تعالیٰ کا اعلان لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون (سورۃ الصف پ۲۸) بالمعنی الاتم صادق آئے گا۔

اے خدائے بزرگ و برتر ہمارے پاکستان پر وہ وقت جلد لا جب یہ دور خلافت راشدہ کا صحیح نمونہ بن جائے۔ (آمین)

سیرت الملوک

(صفحہ ... سے آگے)

بیں ہرنوں کی جانب سے کوئی کھٹکا ہوتا ہے تو وہ وہیں بے حس و حرکت پتھر کی مانند کھڑا ہو جاتا ہے۔ جب ذرا انہیں غافل پاتا ہے تو وہ آگے کو لپکتا ہے۔ کبھی ان کو نغمہ سے خوش کرتا ہے۔ اور ان کے سامنے ان کی مرغوب چیز چارہ اس طرح سے ڈالتا ہے۔ گویا یہ شخص اپنی کرم نمایانہ عادت سے یہ سلوک کر رہا ہے اور اس سے شکار کرنا مقصود نہیں اور نعمت سے منعم کی محبت بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ محبت کی زنجیر آہنی زنجیر سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ ایسے ہی جو شخص اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لئے مناسب ہے کہ ایسا لباس گفتگو ادب اختیار کرے جو لوگوں کو پسند ہو۔ (حیات باقی۔ ملاقات باقی)

آزادیٔ نسواں یا زمرد کا گلوبند

(از قلم ابو یوسف سلطان پوری (ملتان))

پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد جہاں دیگر امور میں تجدد اور آزاد خیالی کی روح سرایت کر گئی ہے۔ وہاں آزادیٔ نسواں بھی اس سے محفوظ نہیں رہ سکی۔ اپوا کی بیگمات پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ عورت کو مرد کے مساوی حقوق ملنے چاہئیں اور عورتوں کو میدان عمل میں مرد کے دوش بدوش قائم ہونا چاہیئے اس چیز کو وہ پاکستان کی ترقی کے لیئے مفید اور از بس ضروری سمجھتی ہیں۔ تعلیمات اسلام سے نابلد ہونے کی وجہ سے تہذیب جدید کے نقش قدم پر چلنے کو عین سعادت اور باعث ترقی قوم و پاکستان جانتی ہیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ انگریز نے ہم پر کم و بیش ایک صدی تک حکومت کی ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ غالب اقوام کی تیغ و سیف سے جہاں کے محکوم سر قلم ہوتے ہیں۔ وہاں ذہن و فکر بھی مجروح ہوا کرتے ہیں۔ مغربی استیلا نے اذہان کو اس درجہ مفلوج کر دیا ہے کہ اپنی ہر ادا سے نفرت محسوس ہوتی ہے اور ساحران فرنگ کی ہر چیز محبوب دکھائی دیتی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم اندھا دھند ان کی تقلید کر رہے ہیں اور اپنے افکار و احوال کو ذہنی شکست سے محفوظ نہیں رکھ سکے۔ انگریز نے اگر نیم عریاں لباس تجویز کیا۔ ہم نے آمنا صدقنا کہہ کر اس کو زیب تن کیا اور اگر اس نے دین سے متنفر کیا۔ ہم نے ان کی اطاعت میں اپنے بانیان مذہب اور مقتدایان امت کا مذاق اُڑایا۔ دین کی نہریات کو مذہبی جنون کہہ کر ٹھکرایا۔ اور اس کے پیش کرنے والے کو خوب فول بنایا۔ حد ہو گئی ستم ظریفی کی کہ ہم نے علمائے کرام پر آوازے کسے۔ ان کی پگڑیاں اچھالیں اور دین ملّا فی سبیل اللہ فساد۔ اس کا مسلک تجویز کیا۔ آج بعض اخبارات کے ایڈیٹوریل نوٹ بر ملا لکھتے ہیں۔ کہ ملّا کا مسلک ملک میں فساد اور نقض امن ہے۔ تعجب ہے کہ علماء کے منہ آنے والے

وہ لوگ ہیں جو ان کے سامنے کلام نہیں کر سکتے اور قلم نہیں پکڑ سکتے اور ان کے اخبار کے لیڈر نوٹ کا عنوان "دین ملّا فی سبیل اللہ فساد" ہوتا ہے ع

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہئے

کیا عرض کروں مقام ایسا ہے جو میرے قلم کو ہر لفظ پر روک رہا ہے ؎

مرا درد یست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

جب ہماری تہذیب عروج پر تھی۔ اور دنیا میں ہمارا پرچم لہراتا تھا۔ اس وقت آج کی فاتح اقوام ہماری تہذیب میں رنگے جانے کو فخر سمجھتی تھیں۔ قرطبہ وغیرہ کی یونیورسٹیوں کے حالات آپ کے کانوں نے سنے ہونگے اس وقت انگلینڈ سے طالب علم آتے تعلیم پاتے اور اپنے ملک میں جا کر فخر سے یہ کہتے کہ ہم قرطبہ یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل ہیں۔ اگرچہ ہم آزاد ہو گئے۔ مگر ذہنی غلامی اب تک باقی ہے۔ ہمارا آج بھی وہی نکتہ نظر ہے۔ جو تقسیم سے قبل تھا۔ ہمارے وہی خیالات ہیں اور وہی ادائیں ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ ہم زمام اقتدار سنبھالنے کے بعد بھی اس ذہنی شکست سے دامن نہیں چھڑا سکے۔

اس سلسلہ کی ایک کڑی عورت کی آزادی ہے۔ آج ہر بڑی سٹیج سے یہ آواز آ رہی ہے کہ انسان فطرۃً آزاد ہے اور یہ فطری آزادی ہر صنف انسانی کے لیئے ہے۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بوڑھا۔ اس فطری آزادی میں کسی کے لیئے کوئی خصوصیت ثابت نہیں ہوتی پھر کس معیار کی بنا پر انسانوں کا ایک گروہ تو اس فطری آزادی سے منتفع ہو۔ اور دوسرا محروم رکھا جائے۔ آج اگر عورت کو گھر کی چار دیواری کو خیرباد کہنے کی اجازت دے دی جائے اور مردوں کے دوش بدوش کام کرنے کی اجازت دی جائے تو پاکستان (BY LEAPS AND BOUNDS) ترقی کر سکتا ہے۔

مذکورہ الصدر کلام کس قدر فریب دہ ہے۔ وہ آپ سے پوشیدہ نہیں۔ تھوڑی دیر کے لیئے تو ہر شخص کو سوچنے کے لیئے مجبور کر دیتی ہے۔ اس مجلس میں آج ہم عورت کی فطری صلاحیتوں کے متعلق کچھ عرض نہیں کر رہے۔ ورنہ ہم بتلاتے کہ عورت کی تخلیق کس غرض کے لیئے ہے اور اس کو زندگی میں کن مشکل دوروں سے گذرنا پڑتا ہے۔ اس کے پیش نظر کیا وہ مرد کے دوش بدوش میدان عمل میں کھڑی ہو سکتی ہے۔ اس کو کسی آئندہ صحبت کے لیئے اٹھا رکھتے ہیں۔ صرف اس قدر عرض کریں گے کہ آخر یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ ہم اپنی بہنوں کو پارکوں میں فوجی مظاہروں میں اور نہ جانے کہاں کہاں نیم عریاں لباس میں تماشا گاہ عالم بنائیں۔ مذہب تو کجا رہا آخر عقل سے کام لیں۔ اور سوچیں کہ یہ بے حیائی کیسے برداشت کی جا سکتی ہے۔ وہ تو خیر انگریزی زمانہ تھا اب بھی وہی خیالات جا گزیں ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ عورت کو میدان عمل میں لا کر مرد کے دوش بدوش قائم کر دیں۔ یہ چیز قصر تمدن کو کس قدر کھوکھلا کرنے والی ہے۔ شائد آپ نہ سمجھتے ہوں۔ مگر یقین جانیئے کہ جب بھی کسی نے فطرت کو تبدیل کرنے کی کوشش کی وہ خود کچلا گیا۔ اس لیئے جا بجا ہمیں تنبیہ کر دی گئی۔ تلك حدود الله فلا تعتدوها کہ یہ فطرت کی حد بندیاں ہیں۔ انہیں پھاندنے کی کوشش نہ کیجیئے۔

ہر ایک کو زور یا بہر طوعاً یا کرہاً اصول اسلام اپنانے پڑتے ہیں اور کیسے نہ اپنائے جبکہ یہ اصول عین عقل کے مطابق ہیں اور ان سے سوائے پاگل یا متعصب کے اور کوئی اعراض نہیں کر سکتا۔ وہی یورپ جو آزادیٔ نسواں کا حامی تھا اور پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ عورت کو پردہ سے باہر لاؤ اور اسے مکمل آزادی عطا کرو۔ آج خود اس مکمل مساوات اور آزادی نسواں کو مضر سمجھ رہا ہے۔ علامہ پرودھون جب عورتوں کو ایسی ناواجب آزادی دلانے والوں کی بک بک سے تنگ آ گیا تو اس نے لکھا کہ "میں اس کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ جس کا نام لوگوں نے آج کل عورتوں کو آزادی دلانا رکھ چھوڑا ہے۔ میری یہ خواہش ہے کہ اگر حالات کا اقتضا ہو تو زمانہ سابقہ کی طرح میں عورت کو قید

کرنے کا مشورہ دے دوں۔ (ملاحظہ ہو انتکار التعلیم)

تہذیب جدید کی آزاد اور بے قید و بند عورت آج جس طرف جا رہی ہے۔ خود جرمنی میں اس کے خلاف علم بغاوت بلند ہو چکا ہے۔ یہ حقیقت اقبالؒ سے بھی پوشیدہ نہیں۔ انہوں نے جاوید نامہ میں اس کا روشن خاکہ پیش کیا ہے۔ مگر پھر بھی آپ صریحاً کہنے سے جھجکتے ہیں۔ بات کنایات میں کرتے ہیں۔ مگر ایسے کنایات جو تصریح سے بھی زیادہ بلیغ ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا
گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے وہ قند
کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب
پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند
اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش
مجبور ہیں، معذور ہیں مردانِ خرد مند
کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ
آزادیٔ نسواں کہ زمرد کا گلوبند

شاید آپ نے رومن ایمپائر کے متعلق سنا ہوگا۔ یہ وہی ایمپائر ہے۔ جس سے موجودہ تہذیب کی نہریں نکلیں۔ رومن حکومت کی بنیاد شہر روما میں چھ صدی قبل مسیح پڑی۔ ابتداً یہ حکومت بہت چھوٹی اور بے حقیقت تھی۔ پھر کئی صدیوں تک رفتہ رفتہ ترقی کرتی ہوئی تمدن و تہذیب کے اعلےٰ درجہ پر پہنچی۔ اس حکومت میں بھی عورتوں کو آزادی نہیں تھی اور پردہ کی قید میں رکھی جاتی تھیں۔ یہ عورتیں خانہ داری کے کاموں سے فراغت کے بعد سوت کاتتیں اور کپڑے بُنتیں تھیں۔ رومی عورتیں سخت پردہ کیا کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ ان میں جو عورت دایہ گیری کا کام کرتی تھی وہ اپنے گھر سے نکلتے وقت بھاری نقاب سے اپنا چہرہ چھپا لیتی اور پھر اپنے تمام جسم کو عبا اور لمبی چادر سے ڈھانپتی تھی۔ جس سے اس کی شکل کا نظر آنا تو کیا۔ جسم کی بناوٹ کا بھی پتہ نہ چلتا تھا۔ اس زمانہ میں رومن حکومت نے جملہ علوم و فنون میں ایسی ترقی کی کہ تمام قومیں ان کے مقابلہ میں ہیچ ہو گئیں لیکن اس کے بعد ان میں عیش پرستی آئی عورتیں سیر و تفریح کی محفلوں دنگلوں اور اکھاڑوں میں شریک ہوئیں اور پردہ سے نکل گئیں۔ مرد نے موقعہ پایا اور ان کی پاکیزگی کے دامن پر داغ لگائے۔ شرم و حیا کو توڑا۔ ہال اور رقص کے جلسوں میں

عورتوں کے ناچنے اور گانے کا مشغلہ ایجاد ہوا۔ آخر پارلیمنٹ کی ممبر بنی۔ بس یہ حالت ہوئی اور رومانی حکومت کی بربادی شروع ہوئی۔ کیونکہ باقتضائے فطرت مرد بے پردہ عورت پر مائل ہونے لگے اور آپس میں کٹنا مرنا شروع کر دیا۔ علامہ موکس پیرول کے فرمان کے مطابق "اعلیٰ درجہ کے اخلاق کی بنیادیں منہدم کرنے میں سب سے زبردست کارکن عورت رہی ہے"

آخر فطرت اپنا اصول تو تبدیل نہیں کرتی لاتبدیل لخلق اللہ۔ جونہی کوئی اس میں بدعنوانی کرتا ہے۔ صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔ عورت کو آزادی دلانے والے اس کے خیر خواہ نہیں۔ بلکہ یہ ہوس رانی کے شائق اسے کشمکش دنیا میں شریک کر کے پوری قوم کی تباہی کا باعث بن رہے ہیں۔ اس پردہ اٹھانے میں بھی کوئی پردہ ہے۔

یہ تسلیم ہے کہ عورت ملت کے بقا کی ذمہ دار ہے۔ مگر تعلیم دین اس کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اس میں ولولہ ہمت اور جوش عمل ایسے جواہر ہونے ضروری ہیں۔ تاکہ فرزندان قوم محاسن اخلاق سے مزین ہوں۔ یہ درست ہے کہ قوم کی فلاح عورت سے وابستہ ہے۔ مگر اس عورت سے جو مذکورہ بالا معیار پر پوری اترتی ہے۔ لیکن گر وہ آزادی مغرب کی دلدادہ اور شوخ چشم ہے اور اس کے تمام افکار مغرب کی فریب دہ روشنی سے منور ہیں تو حقیقت میں وہ زن نہیں بلکہ نازن ہے۔ اقبال اس کے متعلق فرماتے ہیں ؎

ایں گل از بستانِ ما نارستہ بہ
داغش از دامانِ ملت شستہ بہ

اسی لئے اقبال دختر قوم کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

بہل اے دخترک ایں دلبری ہا
مسلماں را نہ زیبد کافری ہا
منہ بر دل جمالِ غازہ پرور
بیاموز از نگہ غارت گری ہا

بقیہ اسلام اور اخلاق حسنہ

(صہ ۲ سے آگے)

کی مجلس ہے۔ مگر ان میں ظاہری عزت اور دنیاوی اعزاز کی کوئی تفریق نہیں پائی جاتی۔ سب مساوات کی ایک ہی سطح پر اور صداقت کی ایک ہی شمع کے گرد پروانہ وار جمع ہیں سب پر توحید کا یکساں رنگ ہے۔ اور سب اخلاق و اعمال کے ایک آئینہ قدس کا عکس بننے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ نقشہ ہے۔ صاحب قرآن کی اس درسگاہ کا کہ جس کی علمی بلندی کو قرآن ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ کہ ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ کہ وہ تو اپنے ہاں سے کوئی بات ہی بیان نہیں کرتے بلکہ جو کچھ اس زبان فیض ترجمان سے نکلتا ہے۔ وہ ہماری طرف سے وحی کیا ہوا ہوتا ہے۔ اور عجمی سازشی کہتے ہیں۔ کہ زیادہ سے زیادہ اس کی حیثیت ایک تاریخ کی سی ہو سکتی ہے۔ یعنی جو کچھ ان کے قلم سے مسلمانوں کو یورپ کا اندھا مقلد بنانے کے لئے نکلے وہ تو الدین ہے۔

تف ہے اس عقل پر (رنگ کالا اور نام موتی) اور جو کچھ شارع علیہ السلام کی زبان مقدس سے نکلے وہ تاریخ ہے۔ بحث بہت دور نکل گئی۔ در اصل میں یہ کہہ رہا تھا۔ کہ کوئی عمل اس وقت تک قابل ثواب نہیں ہو سکتا جب تک اس میں حضورؐ کی اتباع اور خدا کا حکم پیش نظر نہ ہو۔ دوسری چیز جو اخلاق کے معاملہ میں بہت اہم ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ جس طرح دوسری عبادات میں یہ ضروری ہے وہ ہر قسم کے طمع لالچ دنیوی و نفسانی اور ذاتی اغراض سے پاک ہوں۔ اور انہیں نہایت مخلصانہ طریقہ سے خالص لوجہ اللہ ادا کیا جائے۔ اسی طرح اخلاق حسنہ میں بھی یہ ضروری ہے۔ کہ انہیں ذاتی نفع اور ریا کاری اور ہر قسم کی نمائشوں سے محفوظ رکھا جائے۔ تو ہر جا کر کہیں تو اب اور تزکیہ روح کا سبب بن سکتا ہے۔

(باقی آئندہ)

خدام الدین کا اگلا شمارہ استقلال نمبر ہوگا!

بقیہ اقسام القرآن

(ص ۶ سے آگے)

چنانچہ سورہ والضحیٰ والیل اذا سجیٰ۔ یہ سورۃ ایک بار کی فترت وحی کے بعد نازل ہوئی ہے اور فترۃ وحی قبض کی صورت ہے اور نزول وحی بسط ہے تو حق تعالیٰ دن رات کی قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ آپ کو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ نے نہ چھوڑا کہ وہ آپ سے ناراض ہے۔ اس قسم کو جواب قسم کی توضیح میں اس طرح دخل ہے کہ بتلا دیا کہ قبض کو علامت غیر مقبولیت نہ سمجھو جیسا کہ بعض سالکین اسمیں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ نزول انوار و ذات کو رضا اور انسداد احوال و کیفیات کو علامت رد سمجھتے ہیں جیسا کہ دنیا والے قبض و بسط کو علامت رضا و عدم رضا سمجھتے ہیں۔ روزی والے کو سب لوگ بھاگوان کہتے ہیں۔ اور تنگدست کو منحوس اور مبتلائے ادبار سمجھتے ہیں۔ قبض و بسط کی مثال لیل و نہار جیسی ہے۔ پس جس طرح دن کے بعد رات کا آنا علامت رد نہیں۔ کیونکہ یہ غیر اختیاری بات ہے۔ اسی طرح بسط کے بعد قبض کا آنا علامت رد نہیں۔ اور جس طرح تعاقب لیل و نہار حکمت پر مبنی ہے اسی طرح تعاقب قبض و بسط میں بھی حکمتیں ہیں۔ جیسے لیل و نہار کا تعاقب ناگزیر ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر عالم کا انتظام درہم برہم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اسی طرح سالک پر قبض و بسط کا تعاقب ضروری ہے۔

اسی طرح سورہ عصر کی قسم کو سمجھئے کہ اس کو جواب قسم سے کیا مناسبت ہے۔ بات یہ ہے کہ انسان دو چیزوں میں مقید ہے ایک زمان میں اور دوسرے مکان میں لیکن مکان تو مستقر ہے یعنی اس کیلئے انقضاء (گذرنا) نہیں اور زمان غیر مستقر ہے یعنی اس کے لئے گذرنا ہے کہ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں جو زمانہ گذر گیا وہ قبضہ سے باہر ہو گیا۔ تو حق تعالیٰ اس قسم سے انسان کے اس خسارہ کی دلیل بتلاتے ہیں۔ کہ یہ ایسا عاجز ہے کہ جس ظرف میں اس کا عمل مقید ہے وہ اس کے اختیار سے باہر ہے۔ اگر اسی وقت میں اس سے کوئی عمل فوت ہو گیا تو اگر یہ اس کا تدارک بھی کرے گا تو دوسرے وقت میں کرے گا۔ اور جو زمانہ عمل سے خالی گذر گیا وہ بیکار گیا۔ البتہ مسلمان اس خسارہ سے بچا ہوا ہے۔ کیونکہ اس کے پاس ایمان ایسی دولت ہے۔ کہ وہ ہر وقت باقی رہنے والی ہے۔ کہ ایک دفعہ ایمان کو اختیار کر لینے سے جب تک معاذ اللہ اس کی ضد کا اعتقاد نہ ہو ایمان قائم رہے گا۔ اور یہ ہر وقت میں مومن ہو گا۔ اس سے کافر کا خسارہ عظیمہ میں ہونا بھی معلوم ہو گیا کہ اس کا کوئی وقت معصیت سے خالی نہیں گذرتا۔ اگر وہ کوئی اور گناہ نہ بھی کرے تو کفر ہی اس سے ہر وقت صادر ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک بار کفر اختیار کرنے کے بعد جب تک ایمان نہ لائے۔ کافر ہر وقت کافر ہے۔ کوئی ساعت اس کی کفر سے خالی نہیں گذرتی۔

ہر چند مسلمان کا نفع صرف ایمان ہی سے ہر وقت بڑھ رہا ہے۔ مگر پورا نفع جب بڑھے گا جبکہ ایمان کے ساتھ عمل صالح بھی ہو۔ کیونکہ عمل صالح سے ایمان قوی ہوتا ہے اور گناہوں سے کمزور ہوتا ہے۔ پس مومن فاسق کا ہر وقت نفع کا بڑھنا ایسا ہے۔ جیسے کسی شخص کو ہر سیکنڈ میں ایک پیسے کا منافع بڑھتا ہو اور مومن صالح کا ہر وقت نفع بڑھنا ایسا ہے۔ جیسے کسی شخص کو ہر سیکنڈ میں ہزار روپے کا منافع ہوتا ہو۔

پس گناہوں سے بچنے کا اہتمام نہایت ضروری ہے اور عمل صالحہ کا اختیار کرنا لازم ہے۔ گناہوں کی وجہ سے بعض دفعہ ایمان بھی سلب ہو جاتا ہے پھر وہ ایک پیسہ کی بھی ترقی نہیں رہتی بلکہ خسارہ ہی خسارہ بڑھتا جاتا ہے۔ غرض اس مقام پر زمانہ کی قسم کو جواب قسم کی توضیح میں بہت بڑا دخل ہے کہ اس سے خسارہ کی دلیل معلوم ہو گئی اور یہ دعویٰ مدلل ہو گیا۔ کہ انسان واقعی بڑے خسارے میں ہے۔ اگر ایمان و عمل صالحہ سے محروم ہو۔

(حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ)

(۳) ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانی معنی کی قسم کھانے سے پاک ہے۔ نہ وہ کسی سے ڈرتا ہے اور نہ اس کے ارادے کو کوئی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسموں کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقسم بہ (جس چیز کی قسم کھائی جائے) کو مقسم علیہ (جس مضمون پر قسم کھائی جائے) یعنی جواب قسم پر گواہ بنایا جاتا ہے جس طرح مدعی کے راست بیان گواہوں کے بیانات میں جج غور کرتا ہے۔ اور ان بیانات کی شہادت پر مدعی کا دعویٰ ثابت کرتا ہے۔ اسی طرح مقسم بہ میں غور کرنے سے یقیناً اس دعوے کی تصدیق ہو جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ بندہ کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہے۔ جسے اصطلاح نحو میں جواب قسم کہتے ہیں۔

(مولانا احمد علی صاحب)

قسم محاورات میں تاکید کے لئے ہے جو اکثر منکر کے مقابلے میں استعمال کی جاتی ہے لیکن بسا اوقات محض ایک مضمون کو مہتم بالشان ظاہر کرنے کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں اور قرآن کریم کی قسموں کا تتبع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ عموماً مقسم بہ مقسم علیہ کے لئے بطور ایک شاہد یا دلیل کے ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

سورہ یٰسین میں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی قسم کھائی ہے یعنی قرآن کریم اپنی اعجازی شان پر حکمت تعلیمات اور پختہ مضامین کے لحاظ سے بڑا زبردست شاہد اس بات کا ہے کہ جو نبی امی اس کو لے کر آیا یقیناً وہ اللہ کا بھیجا ہوا اور بے شک و شبہ سیدھی راہ پر ہے۔ اس کی پیروی کرنے والے کو کوئی اندیشہ منزل مقصود سے بھٹکنے کا نہیں

(مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی)

اعتراض:۔ اگر قرآن خدا کا بنایا ہوا ہوتا تو وہ اس کی قسم کیوں کھاتا۔

جواب:۔ خدا بندوں کے محاورے کے مطابق کلام کرتا ہے۔ اُن کو اُنہی کی زبان اور خیالات کے مطابق سمجھاتا ہے۔ کائنات میں جتنی چیزیں ہیں۔ خدا ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ جن کی ہمارے سامنے جلوہ گری ہو رہی ہے۔ اس میں بعض چیزیں ہم کو زیادہ کارآمد معلوم ہوتی ہیں اور بعض کو ہم نے بیش بہا اپنے خیال سے مقرر کر لی ہے جن اشیاء سے انسان کو زیادہ کام کرنا پڑتا ہے اور اُن سے اس کو زیادہ فوائد حاصل ہوتے ہیں ان کو اپنے خیال میں بڑا اور قابل احترام خیال کرتا ہے اور جن اشیاء سے انکو کم کام پڑتا ہے اور اُن سے اس کو کم فائدہ پہنچا ہے یا نہیں پہنچا اپنے خیال میں انکو بے حقیقت سمجھتا اور حقیر خیال کرتا ہے حالانکہ وہ صرف اتنی ہی حقیقی ہے کہ وہ انکے فوائد سے کما حقہ واقف نہیں ہوتا۔ خدا قرآن کی قسم کھا کر انسان کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ جس چیز کو تم نے اپنے خیال میں معمولی سمجھ رکھا ہے اور اس میں غور و فکر نہیں کرتے وہ معمولی نہیں ہے بلکہ اس میں تمہارے لئے بڑے بڑے عظیم الشان فوائد مضمر ہیں۔ تم سوچو سمجھو اور اس کی طرف کامل توجہ کرو۔ تم کو اس سے بے انتہا فائدہ حاصل ہوگا۔

خدا تعالیٰ کا قرآن مجید کی قسم کھانا اسی بات کی طرف ہماری رہبری کرتا ہے کہ قرآن کو معمولی باتیں نہ سمجھو۔ وہ ہمارا کلام ہے۔ اور اس میں دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اس نے اپنی مخلوقات کی قسم کیوں کھائی سو اس کا جواب یہ ہے کہ سب چیزیں اسی کی پیدا کردہ ہیں۔ کوئی چیز بھی اس کے احاطہ کے باہر نہیں ہو سکتی۔ انسان کے سامنے جو چیز بھی آئے گی۔ اس کا خالق بھی وہی خدا ہے پھر وہ توانا ہو گا۔ پس وہ ہم کو سمجھانے کیلئے اور ہمارے خیال کو متوجہ کرنے کیلئے انہی چیزوں کی قسم کھاتا ہے جو ہمارے سامنے اور پیش پیش ہیں۔ اس کا ان چیزوں کی قسم کھانا ہمارے محاورے کے مطابق بتاکید ہم کو قرآن کی طرف متوجہ کرتا ہے اور بس یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اس کا آخری الہام ہے اور اس کے بعد دنیا میں آسمانی کتاب نازل نہیں ہو گی۔ اس لئے انسان کو تاکید اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ وہ خبردار ہو جائے۔ اپنے مفاد کو سمجھے اور اس پر عمل پیرا ہو کر اپنی عاقبت سنوارے۔

اعتراض:۔ رات۔ دن۔ چاند اور سورج کی قسمیں ہنسی کی بات ہے۔

جواب:۔ مضامین اور مطالب دو قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) بہت ضروری (۲) اس سے کم درجہ کے ضروری

(باقی ص۱۶ پر)

صحت اور فراغت کی قدر کرو

(محمد شفیع عمر المدیر، دفتر دارہ مبارکپور خاص)

حدیث

(عن ابن عباس رضی اللہ عنہ) نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ
مشارق الانوار بحوالہ مسلم شریف)

(ترجمہ (از مولانا احمد علی صاحب) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو نعمتیں ہیں ان میں سے بہت سے لوگ نقصان اُٹھاتے ہیں۔ ایک ان میں سے تندرستی اور دوسری فراغت (خلاصۃ المشکوٰۃ)

بقول امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ
لوگ ان دو نعمتوں کو غنیمت نہیں جانتے جب جاتی رہتی ہیں تب ان کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ (احیاء علوم الدین باب موت)

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

صوفی ابن الوقت باشد اے رفیق
نیست فردا گفتن از شرط طریق
تو مگر خود مرد صوفی نیستی!
نقد را از نسیہ خیزد نیستی!

(از حکایت زاگر)

تشریح:۔ اے میرے دوست اللہ کی یاد کرنے والے صوفی ابن الوقت (یعنی وقت کے بڑے قدردان ہوتے ہیں۔ اور وقت فضول ضائع نہیں کرتے) ان کے دستور العمل میں یہ بات نہیں کہ کل کروں گا، کیونکہ آج کا قیمتی وقت (جس میں صحت اور فراغت دونوں حاصل ہیں) گنوا دیں۔

مگر آپ صوفی نش (اللہ اللہ کرنے والے) تو ہیں نہیں (اس لئے آج کل کے ہیر پھیر میں اگر وقت بیہودہ اشغال میں ضائع کر دیتے ہیں۔ ورنہ آپ آج کے نقد (موجودہ وقت) کو کل کے ادھار (آئندہ آنے والے وقت) پر کیونکر ترجیح دیتے (کیا خبر کل تک زندہ رہیں یا نہ)

لہٰذا ان دونوں نعمتوں کی بڑی قدر کرنی چاہئے اور انہیں بے ہودہ دنیاوی اشغال اور لہو و لعب وغیرہ میں برباد کر کے دین و دنیا کا خسارہ نہ لینا چاہئے۔

بقول حضرت علامہ اقبال رح:۔

ہر کہ خود را صاحب امروز کرد
گرد او گردد سپہر گرد گرد

(مثنوی مسافر ص۳۷)

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

موسم جوانی را غنیمت دانستہ تحصیل علوم شرعیہ عمل مقتضای آن علوم اشتغال دارند اہتمام نمایند کہ این عمر گرامی صد ملا یعنی صرف نہ شود بلہو و لعب تلف نگردد (از مکتوب ص۱۹۷ دفتر اوّل)

ترجمہ:۔ جوانی کے ایام کو غنیمت جان کر شرعی علوم کو حاصل کر کے اور مطابق شرعی علوم کے عمل کریں۔ اہتمام کریں کہ یہ عمر کا قیمتی وقت فضول باتوں یا کھیل میں ضائع نہ ہو جائے اور کھیل تماشوں میں برباد نہ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس حدیث پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

بقیہ اقسام القرآن

(ص۱۵ سے آگے)

مضامین بہ نسبت دوسرے مطالب کے تاکید۔ براہین اور دلائل سے ثابت کئے جاتے ہیں۔ تاکید کے لئے ہر زبان میں مختلف کلمات ہوا کرتے ہیں۔ عربی زبان میں بھی تاکید کیلئے بہت سے الفاظ ہیں اور مختلف پیرایوں میں ادا کی جاتی ہے مگر علی العموم قسم سے بڑھ کر کوئی تاکیدی لفظ نہیں ہے یہ عربی زبان کا خاص طرز ہے اور کلام عرب میں بکثرت پایا جاتا ہے قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا اس میں عربی محاورات، صفائی زبان، روزمرہ بول چال، فصاحت و بلاغت بدرجہ غایت ہے جس کے سامنے بڑے بڑے فصحائے عرب سرنگوں ہو گئے یہ قسمیں انہی کے محاورات کے مطابق ضروری مضامین پہ زور دینے کیلئے کھائی گئی ہیں اور جن چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں وہ قدرتی مناظر میں ایک عظیم الشان وقعت رکھتی ہیں۔

الزامی جواب

بجز وید میں گھناؤنی بشٹوؤں کی قسمیں کھائی گئی ہیں جس میں گائے بیل۔ ہرن۔ بکری۔ اونٹ۔ مرغ۔ چیل۔ کوّا۔ کیڑے مکوڑے سب آ گئے۔ اگر قرآن میں رات۔ دن سورج۔ چاند کی قسم ہنسی کی بات ہے تو گھناؤنی بشٹوؤں کی قسم اس سے بڑھ کر قابل تضحیک ہو سکتی ہے۔

(سعید الدین دہلوی والد صلاح الدین
مالک مطبع نعمانی (دہلی)

بقیہ آداب

(ص۱۳ سے آگے)

دل آزاری ہو۔ مگر یہ بھی گاہ گاہ کہ ہر وقت، حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے کسی انسان کی نقل اتاری تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے تو کوئی بڑی سے بڑی دولت بھی کسی کی نقل اتارنے پر ملے تو میں کبھی نہ اتاروں۔" (ابوداؤد، ترمذی)

(۹) مجلس میں بیٹھ کر ہنسنا۔ قہقہہ لگانا۔ آنکھ یا ناک سے کسی طرف اشارہ کرنا، بلا ضرورت کھانسنا کھنکارنا نہایت بدتمیزی ہے حضور نے کبھی قہقہہ نہیں لگایا ہنسی کی بات پر آپ صرف مسکرا دیا کرتے تھے۔

(۱۰) آپ نے فرمایا اگر جمائی آئے تو منہ پر ہاتھ رکھ لو۔ ہا ہا مت کرو۔ یہ شیطان کی آواز ہے چھینک کو جہاں تک ممکن ہو روکو نہ روک سکو تو چہرے پر دونوں ہاتھ رکھ لو۔ تاکہ دوسروں پر چھینٹیں نہ جائیں۔ چھینک کے بعد "الحمدللہ" کہیں سننے والے کو چاہئے جواب میں یرحمک اللہ کہے پھر چھینکنے والا کہے یغفر اللہ لنا ولکم کہنا چاہئے۔ کہ اللہ ہماری اور تمہاری مغفرت کرے۔

(۱۱) حضور اکرمؐ مجلس میں بیٹھے ہوئے استغفار پڑھا کرتے تھے۔ آپ کو خدا نے گناہوں سے پاک رکھا تھا۔ پھر بھی خوف کا یہ عالم تھا۔ ہم سیاہ کاروں کو تو ہر وقت استغفار پڑھنا چاہئے۔ خلوت و جلوت میں خدا کو حاضر ناظر سمجھنا چاہئے۔

(۱۲) راستے کے کنارے پر نہیں بیٹھنا چاہئے۔ اگر کسی مجبوری یا کوئی ضروری وجہ سے بیٹھنا پڑے تو راستے کے حقوق ادا کرنے چاہئیں۔ مثلاً نگاہیں نیچی رکھنا۔ آنے جانے والوں کو اچھی نگاہ سے دیکھنا راستہ میں اگر اینٹ، پتھر، کانٹا وغیرہ پڑا ہو تو اسے ہٹا دینا چاہئے۔ راستہ دریافت کرنے والوں کو صحیح راستہ بتایا جائے۔ کسی معذور وغیرہ کو سہارا دینا۔

یہ تمام باتیں ہماری ذرا سی توجہ کی محتاج ہیں معمولی سی توجہ سے اگر غیر معمولی فائدہ ہو تو اسے اختیار کرنے میں دیر نہ کرنی چاہئے۔ اس میں دین اور دنیا دونوں کے فائدے ہیں۔ ہمارے خیالات و نظریات تنگ ہو گئے ہیں۔ ورنہ دین میں کوئی تنگی و تکلیف نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اعلیٰ اخلاق عطا فرمائے۔

تسبیح فاطمہؓ — سرتاج وظائف ہے

(از قلم ابوالمکارم فضل احمد پرویز الحکیم بی اے کبیر والا ضلع ملتان)

تسبیح فاطمہؓ ایک مقبول و ماثور اور اوراد کی دنیا میں عظیم الشان حیثیت کا حامل وظیفہ ہے۔ اگرچہ یہ تسبیح، تحمید اور تکبیر پر مشتمل ہے۔ مگر اولیت تسبیح (سبحان اللہ) اور خاتون جنت بتول عذرا سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی نسبت کی وجہ سے تسبیح فاطمہؓ کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ منکوں والی مالا (BEADS) جو اسلامی دنیا میں تسبیح کے نام سے موسوم ہے۔ اسے غالباً تسبیح فاطمہؓ کی مناسبت سے یہ نام دیا گیا ہے۔ اور یہ اسی وظیفہ کے توسّل اور تصدق میں اسلامی حلقوں میں رواج پذیر ہوئی ہے اور اس سے ورد کرنے والے اصحاب کے لئے کافی سہولت پیدا ہو گئی ہے اور اس امر میں عالم اسلام جناب سیدہ پاک کا قیامت تک کے لئے زیر بار احسان ہے۔

تسبیح فاطمہؓ کا ورد بزرگان دین و سلف صالحین کے معمول میں مدام شامل رہا ہے۔ اور روحانیت سے لگاؤ رکھنے والے مسلمان ہمیشہ اسے حرز جان بنائے رہے ہیں۔ چنانچہ ہر نماز فریضہ کے بعد تسبیح فاطمہؓ کا عمل اسلامی حلقوں میں کثرت سے متداول اور مروج ہے اور یہ امر اس کی اہمیت اور مقبولیت پر بدرجہ کمال دال ہے۔

قریباً سب مذاہب اور ادیان نے دعا ورد اور اعمال کی ضرورت و اہمیت پر زور دیا ہے اور واقعی وظیفہ اور دعا اظہار عبودیت کا پُر خلوص مظاہرہ، اضطراب دکھ درد کی سکون بخش دوا، امراض جسمانی اور عوارض روحانی کی کامل شفا اور دافع تشویش و بلا ہے۔

سکون قلب (PEACE OF MIND) جس کا ہر شخص متلاشی ہے۔ وہ دعا کے ذریعے ہی میسر آ سکتا ہے۔ اور دعا ایک ہتھیار ہے جس سے قضا و بلا کا رخ موڑا جا سکتا ہے تقدیر معلق دعا کے اشارے پر چلتی ہے انانیت ایجابی (POSITIVE EGOTISM) جو سلب ایمان اور حبط اعمال کا باعث ہے (انانیت سلبی) اس سے حفظ ما تقدم دعا کے ذریعہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ اور اسی طرح انانیت سلبی (NEGATIVE EGOTISM) جو متعدد عسیر العلاج نفسیاتی امراض کا مبداء و موجب ہے دعا کی دور رس شفا یہ تاثیر سے پیدا ہی نہیں ہوتی۔ یاد رہے دعا اور وظیفہ جد و جہد اور مادی ذرائع کام میں لانے کے منافی اور معارض نہیں۔ بلکہ وظائف ہی کی ہوائیں چل کر ان مساعی کو ثمردار بناتی ہیں۔

اسلام کا تصور وظیفہ و دعا صحت مند مفید اور ترقی یافتہ ہے۔ اسلام نے رہبانیت (MONACHISM) کی نفی اور مذمت کر کے دعا سے متعلقہ غلط رجحانات کی روک تھام کر دی ہے۔

ہمارا دین ہرگز یہ تعلیم نہیں دیتا۔ کہ صرف وظائف و عملیات کو مدار حیات بنا لو۔ کسی گوشہ میں بیٹھ کر مالا جپا کرو اور عملی زندگی کی سرگرمیوں سے کنارہ کش ہو جاؤ بلکہ اسلام جو کہ مکمل ضابطہ حیات اور ہمیشہ عصری تقاضوں کا ساتھ دینے والا کامل ترین دین فطرت ہے۔ اس کا مطالبہ ہے۔ کہ نوع انسان کشاکش حیات میں عملی جد و جہد کے ساتھ ساتھ دعا کا دامن بھی ہاتھ میں تھامے رکھے اور صرف اپنی مادی کوششوں کو حصول مقصد کے لئے کافی و وافی قرار نہ دے لے بلکہ نتائج الٰہی کے لئے عنایت الٰہی پر نگاہ رکھے اور اسی کو توکل علی اللہ کہتے ہیں۔

اس ضروری تمہید کے بعد تسبیح فاطمہؓ کا پس منظر قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

حضور سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلعم ہجرت کر کے مدینۃ الرسول میں تشریف لا چکے ہیں اور اتفاق سے یہاں آپ کو حاکم دین کے ساتھ ساتھ نوزائیدہ مملکت کا سربراہ (HEAD) بھی تسلیم کر لیا گیا ہے۔ کتاب مدینہ (PART OF MDINAH) سے آنحضرتؐ کی سیاسی زندگی کا دور شروع ہوتا ہے۔ اب آنحضرت صلعم ایک مستحکم مملکت (STATE) کے حاکم اعلےٰ ہیں۔ مگر کیا مجال۔ کہ آپ نے اپنی زاہدانہ معاشرت میں کچھ فرق آنے دیا ہو، اب آپ پہلے سے بھی زیادہ آپ اور آپ کے متعلقین کی زندگیوں میں سادگی اور ڈھونڈنے لگ لے لی تھی لوگ عبداللہ بن ابی کے لئے ایک بیش قیمت مرصع تاج تیار کر چکے تھے۔ آنحضرت صلعم اگر اجازت دیتے تو وہ تاج لوگ آپ کے سر پر رکھ دیتے۔ مگر آپؐ نے فقر کو ہی سرمایہ افتخار سمجھا اور ہمیشہ "الفقر فخری" کا اعلان زبان و عمل سے ہوتا رہا۔ حضرت فاطمہؓ بنت آنحضرت صلعم کی چہیتی بیٹی تھی۔ جسے آپ نے اپنے محبوب ابن عم حضرت علی المرتضےٰ کرم اللہ وجہہ کے عقد میں دے دیا تھا۔ دوسری بیٹیوں کے انتقال پُر ملال کے بعد تو اب فاطمہؓ رسولؐ کی اکلوتی بیٹی رہ گئی تھی۔ لہٰذا محبت اور شفقت مضاعف ہو گئی تھی۔ کوئی اور ہوتا تو بیٹی کے لئے طرح طرح کا سامان تعیش مہیا کر دیتا۔ خادمائیں اور کنیزیں ہر میں جو دست بستہ منتظر جنبش لب کھڑی ہوتیں۔ مگر محمد مصطفےٰ صلعم نے اپنی اور اپنے متعلقین کی آسائش کے لئے کچھ سامان نہیں کیا اور ایثار اور بے لوث خدمت کی تابندہ مثال آنے والوں کے لئے چھوڑ گئے۔ اللھم صل علی محمد و علی ال محمد و بارک وسلم۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی مالی حالت کافی مخدوش تھی۔ جو کچھ آتا تھا۔ وہ فقرا و مساکین اور اسلام کی خاطر خرچ کر دیتے تھے۔ مدینہ میں بھی علی المرتضیٰ کو کوئی قابل ذکر چیز نہیں ملی تھی۔ کیونکہ حضرت ابوطالب اسلام اور ہادیٔ اسلام کی مالی مدد کرتے کرتے خود تنگ دست ہو گئے تھے۔ انہیں حضرت محمدؐ کی حفاظت کا اس قدر خیال تھا۔ کہ تجارتی کاروبار بھی ترک کر دیا تھا۔ ادھر حضرت فاطمہؓ کی والدہ محسنہ اسلام ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ نے بھی سب مال و متاع راہ خدا میں صرف کر دیا تھا۔ لہٰذا حضرت فاطمہؓ جب علی المرتضیٰ کے گھر آئیں تو عسرت و تنگدستی کا گھر میں دور دورہ تھا۔ مگر اہل بیت سب کے سب فقر و زہد کے خوگر تھے۔ لہٰذا آسائشات کا فقدان زیادہ پریشانی کا سامان ثابت نہ ہوا۔ تاہم آسیہ گردانی، چرخہ کاتنا بچوں کی تعلیم و تربیت اور امور خانہ داری تن تنہا سرانجام دینا حضرت فاطمہؓ کے لیے قدرے موجب کلفت تھا۔ چنانچہ آپ ایک کنیز حاصل کرنے کی متمنی تھیں اور اس غرض سے دربار سرکار رسالت میں تشریف لے گئیں ہمارے عظیم سیرت نگار مولانا شبلی نعمانی رح

نے اس واقعہ کو یوں قلمبند کیا ہے۔

اخلاص سے تھا سیدہ پاک کا یہ حال
گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا
گھس گھس گئیں تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں
چکی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا
اٹ جاتا تھا لباس مبارک غبار سے
جھاڑو کا مشغلہ بھی جو ہر صبح وشام تھا
آخر گئیں جناب رسول خدا کے پاس
یہ بھی کچھ اتفاق کہ واں اذن عام تھا
محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کہ سکیں نہ عرض
واپس گئیں کہ پاس حیا کا مقام تھا
پھر جب گئیں دوبارہ تو پوچھا حضور نے
کل کس لئے تم آئی تھیں کیا خاص کام تھا
غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منہ سے کہہ سکیں
حیدر نے اپنے منہ سے کہا جو پیام تھا
ارشاد یہ ہوا کہ غریبان بے وطن
جن کا صفۂ نبوی میں قیام تھا
میں ان کے بندوبست سے فارغ نہیں ہنوز
ہرچند اس میں خاص مجھے اہتمام تھا
جو جو مصیبتیں کہ اب ان پہ گذرتی ہیں
میں ان کا ذمہ دار ہوں میرا یہ کام تھا
کچھ تم سے بھی زیادہ مقدم ہے ان کا حق
جن کو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا
یوں کی ہے اہلبیت مطہر نے زندگی
یہ ماجرائے دختر خیر الانام تھا

اس موقعہ پر حضور پرنور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدۃ النساء العالمین صلوٰۃ اللہ عنہا کو ایک وظیفہ بتایا اور فرمایا بیٹی رات کو سوتے وقت اس کو پڑھا کرو۔ انشاءاللہ تعالیٰ دن بھر کی تھکاوٹ اور گرانی دور ہو جائے گی۔ کلفت راحت میں بدل جائیگی اور پھر تمہیں مشقت و محنت کی تکلیف کی شکایت نہیں ہوگی۔ وظیفہ مختصر ہے۔ کہ ۳۳ بار سُبْحَانَ اللہ۔ ۳۳ بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ۳۴ بار اَللّٰہُ اَکْبَر پڑھا کرو۔ تاریخی روایات بتاتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت فاطمہؓ نے کبھی کام کی زیادتی کی شکایت نہیں کی۔ گویا اس وظیفہ کی بدولت آپ میں تکالیف اور شدائد کی برداشت کی معتدبہ استعداد پیدا ہو گئی تھی

امام المحدثین محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ اپنی صحیح جسے بعد کتاب اللہ اصح الکتب قرار دیا گیا ہے۔ میں ایک حدیث بیان کرتے ہیں فی ھذا ؎

عن علی بن ابی طالبؓ ان فاطمۃؓ اتت النبی صلعم تسالہ خادمًا فقال الا اخبرک ما ھو خیر لک منہ تسبحین اللہ عند منامک ثلاثا و ثلاثین و تحمدین اللہ ثلاثا و ثلاثین و تکبرین اللہ اربعًا و ثلاثین ثم قال سفیان احدھن اربع و ثلاثون فما ترکتھا بعد قیل ولا لیلۃ صفین قال لا لیلۃ صفین (صحیح بخاری)

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ تحقیق حضرت فاطمۃؓ حضور سرور کائنات ؐ کی خدمت میں ایک خادم مانگنے کی خاطر گئیں اور آنحضرت ؐ نے فرمایا۔ کہ بیٹی کیا تمہیں ایسی چیز (وظیفہ) نہ بتا دوں، اس لونڈی سے زیادہ اچھی ہو۔ رات کو سوتے وقت ۳۳ بار سُبْحَانَ اللہ ۳۳ بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اور ۳۴ بار اَللّٰہُ اَکْبَر ورد کیا کرو۔ سفیان راوی کہتا ہے۔ ان میں سے ایک ۳۴ بار ہے (مگر تعیین نہیں کرتا)۔ ہے بھی مالا مال ہو جائیں گے۔ ہمری مصیبت زدہ بہنیں بھی اپنی سردار فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی سیرت کو پیش نظر رکھیں۔ اور تسبیح فاطمہ سے استمداد کریں۔

ضروری اطلاع

حج بیت اللہ سے فراغت پانے کے بعد حضرت مولینا احمد علی صاحب ۱۲ اگست ۱۹۵۶ء بروز اتوار رات کو پاکستان میل سے واپس تشریف لا رہے ہیں۔ جن احباب نے اسکے لئے ہمیں تحریر فرمایا تھا وہ نوٹ کریں۔ فرداً فرداً سب کو مطلع کرنا ہمارے لئے ناممکن ہے (مدیر)

بقیہ شوق حدیث

(ص ۔ سے آگے)

جو بندہ علم کی تلاش میں نکلتا ہے اس کے لئے جنت کی ایک راہ کھل جاتی ہے اور فرشتے اس کیلئے اپنے پر بچھاتے ہیں اور آسمان و زمین کی مخلوق حتیٰ کہ سمندر کی مچھلیاں بھی اس کیلئے مغفرت کی دعا کرتی ہیں عالم کو عابد پر وہی فضیلت حاصل ہے جو بدر (چودھویں کے چاند) کو باقی تمام ستاروں پر حاصل ہے علماء انبیاء کے وارث ہیں۔‘‘

بے شک انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے دینار اور دراہم نہیں چھوڑے ہیں۔ جس نے علم حاصل کر لیا۔ وہ بڑی دولت کا مالک بن گیا

(صحیح ابن حبان حدیث ۸۸ ۔ ابوداؤد کتاب العلم ۴ سنن دارمی جلد اول ص ۹۶ شیوع لباب علم)

حضرت ابوایوب انصاریؓ حضرت عقبہؓ کے پاس مدینہ منورہ سے ایک حدیث سننے کے لئے مصر پہنچے۔ اور جب آپ نے وہ حدیث سن لی تو پھر ایک لمحہ ٹھہرے بغیر مصر سے مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

عبداللہ ابن بریدہ فرماتے ہیں کہ:۔
حضورؐ کے ایک صحابی فضالہ بن عبید کے پاس مصر پہنچے اور کہا کہ میں آپ کی زیارت کے لئے آپ کے پاس نہیں آیا ہوں بلکہ میں نے اور آپ نے حضورؐ سے ایک حدیث سنی تھی۔ امید ہے کہ وہ آپ کو یاد ہوگی۔ میں اس کو حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ (سنن دارمی جلد اول ص ۱۳۵)

بسر بن عبداللہ فرماتے ہیں:
’’اگر مجھے سواری لے کر ایک حدیث کے لئے شہر شہر جانا پڑے تو میں ضرور ایسا کروں گا۔ اور ضرور اس حدیث کو سنوں گا‘‘ (سنن دارمی جلد اول ص ۱۳۶)

ان واقعات سے قارئین اندازہ فرمائیں کہ ایک ایک حدیث کے لئے صحابہ اور تابعین سفر فرماتے تھے۔ اگر حدیث کا دین میں کوئی مقام نہ ہوتا محض ایک تاریخ کی سی حیثیت ہوتی تو اتنی محنت و طلب یہ حضرات کب کرتے ان حضرات کا ایک ایک منٹ قیمتی تھا۔ ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک حدیث کا حجت ہونا واضح اور اجماعی مسئلہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی تو حجیت حدیث پر مستقل مضمون لکھنے کا ارادہ ہے۔ وما توفیقی الا باللہ

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور بات پر ایمان لانے کی توفیق نصیب فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ ہمیں علم حدیث کے حاصل کرنے کے لئے توفیق بخشے۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

بچوں کا صفحہ

ہمارے بزرگوں کی شجاعت

(۲)

از جناب سید مشتاق حسین صاحب بخاری

مصعب بن عمیرؓ اپنے ماں باپ کے بڑے لاڈلے بیٹے تھے۔ ان کے باپ ان کے لئے دو سو درہم کا جوڑا خرید کر پہناتے۔ ناز و نعمت اور ہر قسم کی آسائش ان کے لئے موجود تھی۔ گھر والوں سے چھپ کر مسلمان ہو گئے۔ اور اسی طرح رہنے لگے۔ جب گھر والوں کو پتہ چلا تو انھیں باندھ ڈالا اور کچھ دنوں تک یہ قید رہے۔ جب موقع ملا تو مسلمان جو حبشہ ہجرت کر رہے تھے اُن کے ساتھ ہو لئے۔ وہاں سے واپس ہوئے تو مدینہ منورہ ہجرت کر گئے یہاں زہد و تنگی کی حالت میں زندگی بسر ہونے لگی۔ غربت کی یہ حالت تھی کہ ایک دفعہ حضورؐ تشریف فرما تھے کہ یہ سامنے سے گذرے ان کے پاس صرف ایک چادر تھی۔ جو کئی جگہ سے پھٹی ہوئی تھی۔ ایک جگہ بجائے کپڑے کے چمڑے کا پیوند لگا ہوا تھا۔ اُن کی پہلی اور موجودہ زندگی کا تذکرہ کرتے ہوئے حضورؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے جنگ اُحد میں مہاجرین کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ جب مسلمان عالم پریشانی میں منتشر ہوئے تو یہ جمے کھڑے تھے۔ ایک کافر نے ان کے بازو پر تلوار اس غرض سے ماری کہ مسلمانوں کا جھنڈا گر جاوے۔ اور مسلمان شکست کھا جائیں۔ ان کا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ انہوں نے دونوں بازوؤں کو جوڑ کر جھنڈے کو سینہ سے چمٹا لیا۔ پھر ان کے تیر لگا۔ جس سے شہید ہو گئے۔ اور جھنڈا دوسرے صحابی کے ہاتھ میں آ گیا۔ لیکن انہوں نے جیتے جی جھنڈے کو گرنے نہ دیا۔ جب شہید ہو کر دفن کئے جانے لگے۔ تو کفن کے لئے صرف ایک چادر تھی۔ سر ڈھانپا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں پر چادر ڈالی جاتی تو سر ننگا رہ جاتا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ چادر سر پر دے دو۔ اور پاؤں پر پتے ڈال دو۔

پیارے بھائیو! یہ ہے ناز و نعمت میں پلے ہوئے ایک مسلمان کی اسلام کے لئے قربانی اور جانبازی جو دو سو درہم کا جوڑا پہنتا تھا اُسے کفن کے لئے پوری چادر بھی نصیب نہ ہوئی۔ لیکن اللہ ان سے خوش تھا اور وہ اللہ سے راضی تھے۔ اور ان کے محبوب رسولِ اکرمؐ ان پر فخر کرتے تھے۔

عذاب الٰہی کیوں؟

اس کا سبب یہی ہے کہ لوگوں نے اپنی زندگی کا مقصد فراموش کر دیا ہے۔ خدا تعالیٰ کا فرمان تو یہ ہے کہ لوگ اس کے فرمان کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں۔ مگر دنیا کے اکثر حصہ نے اس کی پروا نہ کی۔ اور دن رات اپنی نفسانی خواہش کے مطابق عیش و عشرت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جب لوگوں کا یہ حال ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ کا یہ قانون ہے۔ کہ وہ پھر ان کو راہ راست پر لانے کے لئے اپنی طرف سے ہادی بھیجتا ہے۔ مگر جب لوگ اس کو بھی نہیں مانتے اور سخت مخالفت کرتے ہیں تو وہ ان پر اپنا عذاب نازل کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں فرماتا ہے:۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ
حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا

(سورہ بنی اسرائیل رکوع ۲ پ ۱۵)

(ترجمہ:۔ ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک کہ رسول کو مبعوث نہ کریں)

اب پیغمبر تو نہیں آئیں گے حضورؐ کے دروازے کے غلام قرآن اور سنت کا پیغام پہنچائیں گے۔ اکثر لوگ ان کی مخالفت کریں گے اس کا نتیجہ بھی وہی ہوگا۔ طرح طرح کے عذاب آئیں گے۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی کئی سالوں سے عذاب کا سلسلہ متواتر جاری ہے۔ اور یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ جب تک لوگوں کے دل نرم نہ ہوں گے۔ اور وہ اپنی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ کے کلام پاک اور حضورؐ کی سنت کو نہ اپنائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے نہ بنیں گے۔ ورنہ مرنے کے بعد کا عذاب تو بہت ہی غضبناک ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

امیر علم ضیا نظام آباد (پنجاب)

ایڈیٹر:-
عبدالمنان چوہان

بدل اشتراک
سالانہ — گیارہ روپے ۱۱ /
ششماہی — چھ روپے ۶ /
فی پرچہ — فی پرچہ ۴ /

ہفتہ وار خبریں

——— لاہور - ۲۷ جولائی - کل شام تھانہ سوچیت گڑھ کے قریب جموں سیالکوٹ سرحد پر بھارتی فوج کسی اشتعال کے بغیر فائرنگ کی جس میں ۵ پاکستانی شہید اور ۵ شدید مجروح ہوئے۔

——— لاہور - ۲۷ جولائی مغربی ہائی کورٹ نے صوبائی حکومت کو ہدایت کی ہے - کہ جب تک عدالت میں چیئرمین ڈسٹرکٹ بورڈ گجرات اور ان کے دیگر رفقاء کی دائر کردہ درخواست کا فیصلہ نہیں ہو جاتا وہ بورڈ کے ارکان اور دیگر حکام کے کام میں مداخلت نہ کرے۔

——— کراچی - ۲۹ جولائی - پاکستان اور بھارت کی حکومتوں نے فیصلہ کیا ہے - کہ دونوں ممالک میں مغویہ افراد کی بازیابی کے کام میں اعلیٰ حکام کو بھی شریک کیا جائے - اور ان حکام کی حوصلہ افزائی کے لئے انعامات دیئے جائیں جو بازیابی کے کام میں قابل قدر خدمات سرانجام دیتے ہیں -

——— لاہور - ۳۱ جولائی - مغربی پاکستان اسمبلی جداگانہ انتخابات کی سفارش کرے گی -

قاہرہ - ۲۷ جولائی - حکومت مصر نے نہر سویز کو قومی ملکیت میں لے کر سویز کے علاقہ میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا ہے - سویز کمپنی کے عملہ کو خبردار کر دیا گیا ہے - کہ وہ کام میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش نہ کرے ورنہ اسے فوجی جرم تصور کرتے ہوئے سخت سزا دی جائے گی -

——— نئی دہلی - ۲۷ جولائی - آج بہار اشٹرا کے تقریباً ۵ ہزار مردوں اور عورتوں نے پارلیمنٹ کی عمارت کے سامنے مظاہرہ کیا - مظاہرہ کے وقت لوک سبھا میں صوبوں کی نئی حد بندی کے بل پر بحث جاری تھی -

——— الجزائر - ۳۱ جولائی - معلوم ہوا ہے کہ فرانس کی حفاظتی افواج نے گزشتہ ۴۸ گھنٹوں میں ۱۴۰ الجزائری حریت پسندوں کو شہید کر دیا ہے -

(پنجاب پریس لاہور میں باہتمام مولوی عبیداللہ انور پرنٹر پبلشر چھپا اور دفتر رسالہ خدام الدین لاہور شیرانوالہ گیٹ سے شائع ہوا)